بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۰ | ۱۰-۲۵ نومبر ۲۰۲۲ء مطابق ۱۵-۳۰ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ | شمارہ نمبر ۱-۲

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڈ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

والدہ ماجدہ کا خط

اپنے جگر گوشہ کے نام

عزیزی محمود سلمہ!

بہت بہت دعائیں۔

خدا کرے تم سب بعافیت ہو، تمہارا خط ملا، خوشی ہوئی، ایسے ہی جلدی جلدی اپنی خیریت لکھتے رہا کرو، دل لگا رہتا ہے، تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ اب تمہارا امتحان قریب ہے، امید ہے کہ تم خوب دل لگا کر پڑھ رہے ہوگے، کسی چیز میں گھبرانا نہیں، جس کتاب میں تم اپنے کو کمزور سمجھ رہے تھے، امید ہے کہ اب تمہاری کمزوری دور ہوگئی ہوگی، خوب محنت کرجاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، ان شاء اللہ کامیابی ملے گی، مطالعہ خوب کیا کرو، خط کا مضمون بھی خوب اچھا لکھا کرو۔

اللہ تعالی تمہیں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب کرے۔

تمہاری امی

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

تعمیرِ حیات، اشاعت کا ۶۰ رواں سال	شمس الحق ندوی	۵
عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندویؒ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۷
اے خدا! محمود پر تو رحم صبح و شام کر	مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ	۸
خانوادۂ حسنی اور دینی دعوت	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۹
اخلاص اور زہد و تقوی میں ممتاز	مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی	۱۱
دین و علم سے شغف و محبت	مولانا مفتی احمد خانپوری	۱۲
خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۳
عالی مرتبت خاندان کے ہونہار فرد	مولانا عبدالعلیم فاروقی	۱۴
اسلاف کی حقیقی میراث کے امین	مولانا محمد سعد کاندھلوی	۱۵
مولانا محمو حسن حسنی-نقوش و تاثرات	مولانا عتیق احمد بستوی	۱۶
ایک نیک دل اور پاکباز شخصیت	مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی	۱۸
ایک محمود صفات شخصیت	ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی	۱۹
آہ! مولانا محمود حسن حسنیؒ	ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی	۲۰
نورانی جلووں کی تابانی	مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی	۲۲
ایک منفرد اور ممتاز شخصیت	ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خان ندوی	۲۴
پیکر علم و عمل اور صدق و صفا	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	۲۵
یقین و عمل اور خدمت دین کا نمونہ	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۲۷
'تاریخ و اصلاح و تربیت' پر ایک نظر	مولانا سید عنایت اللہ ندوی	۳۰
دینی و اخلاقی قدروں کے آئینہ دار	مولانا محمد ناصر سعید اکرمی	۳۲
ایک قلب ذاکر اور نفس شاغل	ڈاکٹر یوسف عظیم صدیقی	۳۶
ہمارے برادر اکبر- رحمۃ اللہ علیہ	مسعود حسن حسنی ندوی	۳۸
ایک ملنسار اور قلمکار کا سانحۂ ارتحال	رحمت اللہ ندوی	۴۰
ایک باکردار و علمی شخصیت	محمد فرمان ندوی	۴۳
معارف، تزکیہ اور قلم کا حسین پیکر	محمد نفیس خاں ندوی	۴۶
محمود حسنی- کچھ یادیں، کچھ باتیں	محمد عثمان ندوی	۵۳
ایک صاحبِ دل و مسلسل شخصیت	محمد کلام الدین ندوی	۵۵
حسن خلق و حسن عمل کے امین	فتح محمد ندوی	۵۸
چند اہم تالیفات اہل علم کی نظر میں	محمد جاوید اختر ندوی	۶۰

اداریہ

تعمیرِ حیات اشاعت کے ۶۰ ویں سال میں

شمس الحق ندوی

الحمدللہ پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' ماہِ اکتوبر میں اپنی عمر کے ۵۹ رسال پورے کر چکا ہے، یہ اس کے ۶۰ رویں سال کا پہلا شمارہ ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، ''تعمیر حیات'' کے اجراء کا مقصد دعوت واصلاح، دینی اسلامی تربیت اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف کی جانے والی ایسی گہری سازشوں سے مسلمانوں کو باخبر رکھنا اور اس سے دور رہنے اور بچنے کی دعوت دینا رہا ہے کہ ایسا نہ کرنے میں مسلمان غیر شعوری طور پر الحاد ودہریت کا شکار ہو جائیں۔ خودستائی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ مستشرقین اور یورپین قوموں کی گہری سازشوں کو سمجھنے اور اس کا پردہ فاش کرنے میں 'تعمیر حیات' کو امتیاز حاصل ہے، جو اس کے جہاں دیدہ اور تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے سرپرستوں اور ان کے نیاز مندوں کے قلم سے نکلتا رہتا ہے۔

چونکہ میڈیا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلام ومسلمانوں کے خلاف ہی خبریں شائع کرتا ہے کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوں، اس لیے 'تعمیر حیات' اصلاح وتربیت، اخلاق واخلاص کے موضوع پر مضامین شائع کرنے کے ساتھ ایسی خبریں اور مضامین شائع کرتا ہے جو حوصلہ بڑھانے والے ہوں، چنانچہ بعض قارئین نے کہا کہ 'تعمیر حیات' پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہم زندہ ہیں۔

'تعمیر حیات' نے ہمیشہ اہل سنت والجماعت کے فکر وعمل کی ترجمانی کی کوشش کی ہے، خواہ عقائد ونظریات ہوں یا احکام ومسائل شریعت، 'تعمیر حیات' نے ہمیشہ اہل سنت والجماعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے وسعت اختیار کرنے کی کوشش کی ہے، اور ایسے افکار ونظریات پیش کرنے کی کوشش کی جو اہل حق کے تمام مکاتب فکر کے لیے قابل قبول ہوں، اور وہ ایک نظریہ اور راہِ عمل اختیار کر سکیں جس سے ان کی کوششوں میں یکسانیت ووحدت کی شکل قائم ہو، اور امت ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو سکے۔ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ گذشتہ کئی دہائیوں سے خاص طور پر وطن عزیز میں ملت اسلامیہ کے افراد میں دینی شعور اور اسلامی ذہنیت میں مسلسل انحطاط پیدا ہوتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے خالص علمی زبان سے ناواقفیت بڑھتی جا رہی ہے، اس وجہ سے مضامین کے انتخاب وترتیب میں ہر سطح کے لوگوں کی رعایت ناگزیر ہے تاکہ عوام وخواص دونوں طبقے مستفید ہو سکیں۔

'تعمیر حیات' نے حالات کے اتار چڑھاؤ سے گھبرانے کے بجائے ہمت وحوصلہ اور خود اعتمادی پیدا کرنے والے مضامین شائع کرنے کا اہتمام رکھا ہے۔ 'تعمیر حیات' خلوص، قربانی اور ایثار وخدمت کا جذبہ پیدا کرنے والے مضامین سے بھی اپنے قارئین میں صحیح دینی بیداری پیدا کرنے کی فکر وکوشش کرتا رہا ہے، حالات کے مقابلہ کے لیے جذباتی اور جوش وخروش کا انداز اپنانے کے بجائے حکیمانہ اور باوقار طریقہ اپنانے کی دعوت دیتا رہا ہے، اس لیے کہ قوم وملت کی فلاح وکامیابی صرف جذبات، جوش وخروش اور ہنگاموں سے نہیں ہوتی، بلکہ حکیمانہ اور مدبرانہ طریقۂ کار کے اپنانے سے ہوتی ہے، جس کی بہترین مثال حضرت مجدد الف ثانی کا طریقۂ دعوت ہے، اگر وہ یہ حکیمانہ انداز چھوڑ کر جوش جذبہ کا طریقہ اپناتے اور "کلمة حق عند سلطان جائر" کے جوش میں حکومت وقت سے ٹکرائے ہوتے تو چند رفقاء کی شہادت کے سوا کچھ اور ہاتھ نہ آتا، اور ایک دہریہ حکومت کے رخ کو موڑنے کے لیے انہوں نے جو صبر آزما طریقہ اپنایا، اور اس کے نتیجہ میں ہر آنے والا بادشاہ بہتر سے بہتر رخ کی طرف چلا، پھر اورنگ زیبؒ جیسے مثالی حکمراں نے دین اسلام کی حفاظت اور نشر واشاعت کا جو کارنامہ انجام دیا، اور خلفائے راشدین کی یاد تازہ کی، یہ نہ ہوتا، اسی طرح 'تعمیر حیات' جب کمزوریوں کی نشان دہی کرتا ہے تو تنقید وتبصرہ میں جارحانہ انداز نہیں اپناتا کہ جس کے ردعمل کے نتیجہ میں تعمیر کے بجائے تخریب کا ماحول بنے، شاعر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے ایک خاص ماحول میں مسلمانوں کو اپنے مقام بلند پر قائم رہنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا:

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان ، او غافل افغان

علامہ محمد اقبالؒ نے اس سے علماء حق کی تحقیر نہیں کی ہے، بلکہ ان دین فروشوں سے آگاہ کیا ہے، جو دین کا لبادہ اوڑھ کر دنیا کماتے ہیں، جس کو حدیث شریف میں علماء سوء کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "یبیع دینه بعرض من الدنیا" دنیا کے تھوڑے فائدہ کے لیے دین کو بیچ دیتا ہے۔

'تعمیر حیات' اپنے خاص انداز میں اس بات کی طرف بھی متوجہ کرتا رہا ہے کہ تاویلات کے ذریعہ اہل علم کا طبقہ دنیا کی محبت کا شکار ہونے سے اپنے آپ کو بچائے، 'تعمیر حیات' اپنے قارئین کا دینی ذہن بنانے کے سلسلہ میں ان کی علمی سطح نیز عقل وفہم کا لحاظ رکھتا ہے، جو ندوۃ العلماء کے اس مسلک کا عکس ہے، جو اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول پر رکھا ہے: "کلّموا الناس علیٰ قدر عقولهم أتریدون أن یکذّب الله و رسوله" یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول کو جھٹلایا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ 'تعمیر حیات' کے تعمیری انداز سے قارئین کو فائدہ پہنچا، اس کے بہت سے مضامین اور اداریے ہندو پاک کے اخبارات ورسائل کی زینت بنے، اس سب کے باوجود 'تعمیر حیات' کے کارکنان بہر حال انسان ہیں، اس لیے خطا ونسیان کا پیش آنا، چوک ہو جانا، بعید از قیاس نہیں۔

'تعمیر حیات' اپنے قارئین میں یہ احساس بھی پوری طاقت کے ساتھ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت دوسری قوموں کی طرح کسی خاص خاندان اور برادری یا محض مذہبی لیبل کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ اس کی قومیت کی حقیقت ان سب قومیتوں سے کہیں بلند وبرتر ہے، وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اس کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے، اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک امتیازی شان رکھنے والی برادری ہے، اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت، اس کی بجا آوری، اس کی تعلیم، اس کی دعوت اور اس کی اشاعت ہے، نہ کہ محض نام کا مسلمان ہونا۔

'تعمیر حیات' نے اپنے قارئین میں یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دشمن سے زیادہ گناہوں سے ڈرا جائے کہ مسلمانوں کی مدد اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اگر مسلمان اور اس کے دشمن گناہ میں برابر ہوئے تو دشمنوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوگا، اس لیے کہ جب وسائل کا وسائل سے ٹکراؤ ہوگا تو جس کے وسائل زیادہ ہوں گے، وہ غالب آئے گا، اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کمانڈر کو یہی ہدایت کی تھی کہ تم دشمن سے زیادہ گناہوں سے ڈرنا کہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد اسی بنا پر کی جاتی ہے۔ 'تعمیر حیات' اس بات کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ مسلم ممالک کے حالات بھی سامنے آتے رہیں، وہاں پیدا ہونے حالات کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور اس سے نہ صرف باخبر رہا جائے بلکہ اس سے جو غلط ونقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے، ان سے باخبر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ہے کہ 'تعمیر حیات' کے مضامین ہندو پاک کے اکثر اخبار ورسائل میں نقل ہوتے رہتے ہیں۔

'تعمیر حیات' قمری مہینوں کی مناسبت سے بھی مضامین کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ تذکیر ویاددہانی سے عمل کا نیا شوق وجذبہ پیدا ہوتا رہے، چنانچہ شعبان، رمضان، ذی الحجہ، ربیع الاول کی مناسبت سے مضامین شائع کرتے رہنے کا اہتمام کرتا ہے، جس سے بہت سی بدعات وخرافات کی بھی تردید ہوتی رہتی ہے اور جذبۂ عمل بھی ابھرتا ہے، 'تعمیر حیات' پوری قوت وطاقت اور یقین واعتماد کے ساتھ یہ بات پیش کرتا ہے کہ گردش لیل ونہار چاہے کتنی ہی کروٹیں بدلتے رہیں، اسلام ایک ابدی دین ہے، وہ ہر موقع پر زمانہ کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اس سلسلہ میں ہم مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے یہ فکر انگیز الفاظ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جن کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے، حضرت مولانا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ''اسلام اپنے اصولوں کے ذریعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں خواہ وہ اخلاقی ہوں یا تمدنی، خواہ افراد کے باہمی رشتوں سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کی خارجی زندگی سے ان اصولوں کے ذریعہ عہد جدید کے نہ صرف جائز تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے بلکہ عصر جدید کو اس تباہی سے بھی بچا سکتا ہے جو تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹک رہی ہے''۔

قارئین گرامی قدر! آپ کے علم میں ہے کہ کچھ عرصہ قبل 'تعمیر حیات' کے جواں سال نائب مدیر اور معروف صاحبِ علم وقلم کار مولانا سید محمود حسنی ندوی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے، انھوں نے لگ بھگ دو دہائیوں کا عرصہ 'تعمیر حیات' کی خدمت کی، ان کی اس خدمت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے 'تعمیر حیات' دو شمارے بیک طباعت ان کی حیات وخدمات کے حوالہ سے اس خیال کے ساتھ پیش کر رہا ہے کہ نوجوانانِ امتِ اسلامیہ اور آنے والی نسلوں کے لیے بطور خاص مفید ہوگا، ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے، اور اس اشاعت کو مقبول ونافع بنائے، آمین۔

☆☆☆

عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندویؒ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ☆

عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۱ر سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت کر گئے، گذشتہ سالوں سے انہیں کئی بیماریاں لاحق تھیں جن کا علاج جاری تھا، مگر انہیں لکھنے پڑھنے کے کاموں سے ایسا انہماک تھا کہ اپنی صحت وغیرہ کا بھی زیادہ خیال نہ رکھ سکے، بیماری بڑھتی گئی اور آخر کار وہ صاحب فراش ہوگئے، علاج ومعالجہ کی جو کوشش ہونی چاہیے اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی، ہندوستان کے مشہور اسپتالوں میں وہ زیر علاج رہے، چنڈی گڑھ کا علاج بھی چلا، پھر وفات سے چند روز قبل لکھنؤ کے میٹروسٹی ہسپتال میں داخل کرائے گئے، لیکن موت وحیات کا جو وقت اللہ کے یہاں مقدر ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا، چاہے بیماری ہو یا نہ ہو، چنانچہ وہ ۱۲ر اگست ۲۰۲۲ء کو جمعہ کے دن اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

عزیز مرحوم کی یہ عمر تقریباً ان کے نامور نانا مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی عمر کے مطابق رہی، عمریں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہیں اور وہ جس سے جتنا کام لینا چاہتا ہے، اسی کے مطابق اس کو عمر دیتا ہے، اس لحاظ سے گرچہ عزیزی محمود کی عمر عمومی عمروں کے مقابلہ میں کم ہوئی، لیکن انہوں نے اپنی کم عمری کے باوجود جو اہم کام انجام دیے، ان کاموں کو دیکھا جائے تو یقیناً وہ بھی بڑی شخصیتوں میں شمار کیے جائیں گے۔

ان کی خصوصیات میں یہ بات کھلے طریقہ سے نظر آتی ہے کہ علوم دینیہ کی خدمت کے ساتھ جو انہوں نے درس وتدریس کے طور پر انجام دی، انہوں نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بڑے اہم کام کیے، بزرگان دین کی سیر وسوانح لکھنا انکا خاص ذوق تھا، ان کی وفات کو انہی خصوصیات کی بنا پر اہل علم وفضل کے مختلف حلقوں میں محسوس کیا گیا اور مذکورہ کاموں میں خسارہ واقع ہونے کا احساس ہوا، بلاشبہ میرے لیے بھی یہ ایک بڑا خاندانی حادثہ ہے۔

عزیزی محمود حسنی کا نشو ونما اپنے دادیہالی اور نانیہالی سرپرستوں کی خصوصی توجہ اور شفقت کے ساتھ علمی اور دعوتی ماحول میں ہوا، ان کے دادا سید مسلم حسنیؒ تھے اور ان کے والد سید حسن حسنیؒ تھے جو مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے حقیقی نواسے تھے، بڑے غریب پرور، نیک، دین دار، خوش اخلاق، سادگی پسند اور اعلیٰ اوصاف وکردار کے حامل تھے۔ ان کی والدہ سیدہ امامہ حسنی مرحومہ کو دنیاوی منافع پر دینی فلاح وصلاح کو ترجیح دینے کا جو خاندانی طریقہ ورثہ میں ملا تھا، انہوں نے اسی نہج پر اپنے بچوں کو بھی تعلیم وتربیت دی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے وہ نواسے تھے اور پوتے بھی، مرحوم کو ان کی توجہات اور دعائیں ہمیشہ حاصل رہیں۔ وہ رشتہ میں میرے بھی نواسے تھے اور حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد سے ان کا تعلق مجھ سے مزید بڑھ گیا تھا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور ساتھ ہی ادارہ دارعرفات سے بھی متعلق ہوگئے، جہاں اداروں کے ذمہ داروں نے انہیں تصنیف وتالیف کے اہم کام سپرد کیے اور وہاں انہوں نے اچھی صلاحیت کا ثبوت دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرحوم کو ایمان ویقین، خدمتِ دین، تصنیف وتالیف کی خصوصیات سے نوازا تھا، ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے بڑوں کے مشورہ سے ہر کام شروع کیا، الحمد للہ انہیں اپنی معلومات پیش کرنے کا بڑا سلیقہ تھا، وہ بہت احتیاط وتحقیق سے تصنیفی مواد اکٹھا کرتے تھے، تاریخ کے موضوع پر ”تاریخ اصلاح وتربیت“ کے عنوان سے انہوں نے بڑی اہم کتاب لکھی، جس میں تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کی شخصیتوں میں مرکزی شخصیتوں کو نمونہ کے طور پر لیا اور ان کے اصلاح وتربیت کے منہج کو پیش کیا، اس طرح انہوں نے ایک تسلسل دکھانے کی کوشش کی کہ اسلام کا درخت اپنے موسم میں برابر پھل دیتا رہا ہے، اس تاریخی کام میں انہوں نے حضرت مولاناؒ کی فکر وتصنیفات سے خصوصی طور پر فائدہ اٹھایا ہے۔

بزرگان دین سے ربط وتعلق اور ان کی خدمت میں حاضری کا انہیں بہت شوق تھا، محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ کئی بار میرے ساتھ حاضر ہوئے اور میرے بغیر بھی حاضر ہوئے، ان کے علاوہ بھی مشائخ عصر سے ان کا گہرا تعلق رہا ہے، وہ بزرگوں کی شخصیت اور خصوصیات اور اصلاح وارشاد کے سلسلہ میں ان کے طریقہ کار اور ان کے معمولات جاننے کی دلچسپی رکھتے تھے اور ان کو سمجھنے کا اہتمام کرتے تھے،

☆ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

پھران کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنے مشاہدات و تجربات کے ذریعہ ان عظیم شخصیات کا تعارف کرائیں، تاکہ اس طرح اس شخصیت کی وفات کے بعد مختلف پہلو زیادہ بہتر طریقہ سے سامنے آسکیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے کئی اصحاب فضل وکمال اور اہل علم ودین شخصیات پر کتابیں منظر عام پر آئیں اور پسند کی گئیں، انہیں یہ جذبہ اور حوصلہ اپنے نانا اور میرے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ سے کسی حد تک موروثی طور پر بھی ملا تھا، جو انہیں اپنے نانا حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) -والد ماجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ- سے تذکرہ وسوانح نگاری اور تاریخ نویسی کا ملا تھا۔

مجھے ان کا علمی وعملی دونوں پہلوؤں میں خاصا تعاون حاصل رہا، لکھنے کے لیے حوالوں کو جمع کرنے میں مجھے ان سے بڑی مدد ملتی اور وہ کدوکاوش کا بھرپور ثبوت دیتے، مضامین کی ترتیب وتنسیق کے کام میں بھی ان کی خاصی مدد حاصل رہتی تھی، جس کے سبب میرے لیے ذاتی طور پر یہ سانحہ بہت رنج دہ ہے، لیکن "للّٰہ ما أعطی ولہ ما أخذ، وکل شئ عندہ لأجل مسمّی" (اللہ نے جو دیا وہ بھی اللہ کا ہے اور جو واپس لیا وہ بھی اسی کا ہے اور اس کے یہاں سے ہر شے کی مدت مقرر ہے)۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اپنے قرب خاص میں جگہ عطا کرے، رفع درجات کے انعامات سے بیش از بیش نوازے اور ان کی نیکیوں کا اضعافاً مضاعفہ صلہ عطا فرمائے اور لغزشوں کو معاف کرے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

اے خدا! محمود پر تو رحم صبح وشام کر

مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ

اے خدا! محمود پر تو فضل کر انعام کر
اے خدا! محمود پر تو رحم صبح وشام کر

اے خدا! محمود کو دے زندگی تابندگی
اے خدا! محمود کو دے ہر نفس فرخندگی

اے خدا! محمود کو تو صحت وایمان دے
اے خدا! محمود کو تو علم دے عرفان دے

اے خدا! محمود کو دے عقل و تدبیر وعمل
اے خدا! محمود کو کر بے مثال

اے خدا! محمود کو کر خندہ رو شیریں سخن
اے خدا! محمود کو دے مرد حق کا بانکپن

اے خدا! محمود پر تو بارش انوار کر
اے خدا! محمود کو حق کا علم بردار کر

اے خدا! محمود کو اللہ کی تلوار کر
اے خدا! محمود سے آتش کدے گل زار کر

اے خدا! محمود کو دے حسن دیں حسن شیم
اے خدا! محمود کو کر اہل دیں میں محترم

اے خدا! محمود کو دے حسن رو حسن سیر
اے خدا! محمود ہو میخانہ اہل نظر

اے خدا! محمود سے مسلم کا دل ہو باغ باغ
اے خدا! محمود ہو اسلاف کا چشم وچراغ

اے خدا! محمود کوتو مرد حق آگاہ کر
اے خدا! محمود کو تابندہ مہر وماہ کر

اے خدا! محمود پر انعام لامحدود کر
اے خدا! محمود کو تو حامد و محمود کر

☆☆☆☆☆

خانوادۂ حسنی اور دینی دعوت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆

یہ دنیائے انسانیت جس میں آج ہم زندگی گذار رہے ہیں اور جسے انسانوں نے مختلف میدانوں میں اپنی علمی سرگرمیوں سے آباد کر رکھا ہے، یہ اس اعتبار سے ممتاز اور انفرادی حیثیت رکھتی ہے کہ یہ ابن آدم کی عملی جولان گاہ ہے، وہ اس میں عمل اور عقیدہ دونوں میدانوں میں مختلف کردار ادا کرتا رہتا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ امتِ اسلامیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف دعوت دینے کی ذمہ داری اور قیادت حاصل ہے، اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کا دروازہ بند کر دیا ہے، اور جن کو ایسی دعوت سے سرفراز فرمایا جو پورے عالم کے لیے اور رہتی دنیا تک کے لیے ہے، ان کی رسالت کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی اسی امت اسلامیہ کے کندھوں پر ہے۔ لہٰذا اس کے بعد قیامت تک مسلمانوں کے سامنے نہ کوئی دین معتبر ہے اور نہ کوئی عقیدہ، اور مسلمانوں کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ وہ اپنے عظیم خالق کو پہچانے جس نے اس کو عالمی قیادت کے منصب سے سرفراز فرمایا، اور ان کے لیے اپنی معرفت کی راہ کھول دی، اس کے سامنے آسمان وزمین کی تمام چیزیں سرنگوں ہیں، خواہ وہ چیزیں علم سے تعلق رکھتی ہوں یا عمل سے یا پھر قوت اور نشاط سے اور یہ تا قیامت چلتا رہے گا جس دن اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے۔

یہ دنیائے آب وگل جو مختلف قسم کی مخلوقات سے آباد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ وہ ان تمام باتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اور یہ معلوم ہے کہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہے اور اس آسمانی پیغام سے ہے جس میں انسان کی صلاح اور ان تمام چیزوں کی صلاح پنہاں ہے جن کا تعلق انسانوں سے ہے اور یہ آسمانی پیغام ایک عظیم انسانی ذمہ داری یعنی اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے دین کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ" [البینۃ:۵]

(انہیں اسکے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے دین کو خالص رکھتے ہوئے یکسو ہو کر اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، اور یہی ہے دین سیدھی ملت کا)۔

ہمارے برادر محترم مرحوم سید محمود حسن حسنی ندوی جو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے خاندان کے فرد فرید تھے اور نوجوان داعیوں اور اسلام پسند انشاپردازوں میں سے تھے جنہوں نے دارالعلوم ندوہ العلماء کے چشمہ فیض سے سیرابی حاصل کی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور علامہ سید محمد رابع حسنی ندوی کے زیر نگرانی اپنے خاندان کی تربیت میں رہ کر اپنی شخصیت کو سنوارا، اور مرحوم محترم نے تعلیمی امور کو بخوبی انجام دیا اور نوجوانوں کو صحیح رخ دیا اور دین کے عظیم مخلص داعیوں کے ساتھ زندگی گزاری اور ان کی خاص و عام مجلسوں سے مستفیض ہوئے، اللہ نے ان کو دینی دعوت کی انجام دہی اور علماء اور خاندان کے داعیوں کی تمام دعوتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی توفیق سے نوازا تھا، یہاں تک کہ ان کو تمام علمی دینی اور دعوتی سرگرمیوں کی انجام دہی میں بڑوں کا اعتماد حاصل ہو گیا تھا خواہ وہ دعوتی مقالے لکھنے ہوں، یا بڑے علماء اور مخلص داعیوں کی تاریخ سے متعلق علم و دعوت کے مصادر کی تلاش وجستجو کرنی ہو، واقعہ یہ ہے کہ وہ علم و دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں اور ممتاز مصنفین کی صفوں میں پہنچ گئے تھے۔

مرحوم یہ تمام کام بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے اور ہر ایک میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کہ اچانک ان کی صحت بگڑ گئی اور وہ سخت بیمار ہو گئے، مجبوراً ماہر ڈاکٹروں سے رجوع کرنا پڑا اور انہیں کے حسب ایماء شہر کے ایک اسپتال میں داخل کئے گئے جس میں ان کے اہل خانہ نے ان کا بھرپور تعاون کیا اور ڈاکٹروں نے بھی بڑے اہتمام وتوجہ سے ان کا علاج کیا اور ان کی طبیعت میں سدھار ہوا، اسی کے ساتھ اہلِ خاندان اور علما اور صلحاء نے دعائیں کیں، اور یہ امید ہو چلی تھی کہ وہ شفایاب ہو جائیں گے، اور دن بہ دن ان کی حالت بہتر ہوتی جارہی تھی، لیکن مشیتِ ایزدی کچھ اور تھی، آخر کار انہوں نے ۱۳؍محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۲۲ء جمعہ کی صبح کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ جل شانہ ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت

☆ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

مولانا مرحوم عظیم داعی اور عالم ربانی حضرت سید احمد شہیدؒ کے خانوادہ سے تھے، اور یہ وہی خاندان ہے جس سے مشہور اسلامی قلم کار، عظیم داعی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا بھی تعلق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دعوت و تبلیغ کی توفیق بخشی اور ان سے دین کا کام لیا۔

جیسا کہ اوپر گذرا مولانا مرحوم کا تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور ہمارے استاد وشیخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے گھرانے سے تھا، ہمارے شیخ عالمی تاریخ پر گہری نظر کی وجہ سے مسلمانوں کے تئیں عام علماء اور داعیوں سے مختلف نظریہ رکھتے تھے، وہ امتِ اسلامیہ کی تاریخ لکھنے اور اس کی روشنی میں رائے قائم کرنے میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے، ابتدائے اسلام سے لے کر اپنے زمانہ تک کی گذشتہ تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے تھی اور اسی تاریخی آئینہ میں وہ مسلمانوں کا مستقبل دیکھتے تھے، اپنی مشہور ومعروف کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور مجھے اس سلسلہ میں انشراح صدر بھی فرمایا کہ میں ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے موضوع پر کچھ لکھوں، گویا کہ مسلمان ہی اس دنیا میں ایک بنیادی اور مؤثر عامل اور محرک کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ تاثیر محدود جغرافیائی خطہ یا کسی خاص سیاسی دائرہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ تاثیر عالمی اور آفاقی ہے، کیا مسلمان واقعی اس پوزیشن میں ہیں کہ یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے عالمی قیادت سے پیچھے ہٹنے کی وجہ سے دنیا نے کچھ کھویا ہے؟"۔

مذکورہ بالا چند سطروں کی روشنی میں ہمارے سامنے عالمی قیادت کا وہ وسیع میدان کھل کر سامنے آجاتا ہے جس کے بارے میں ہمارے شیخ حضرت مولانا علی حسنی ندوی نے اپنی مذکورہ کتاب میں گفتگو کی ہے، وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ پورا عالمِ اسلام مختلف ذہنی وفکری امراض کا شکار تھا اور ان کا علاج ڈھونڈ رہا تھا، اور سبھی یہی خیال کررہے تھے کہ مسلمانوں کی پسماندگی اور شکست خوردگی بھی من جملہ ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے دنیا کا کوئی بھی خطہ علم ودعوت کی نعمت سے محروم ہے، چنانچہ اس عالمِ جلیل اور داعی کبیر نے اصحابِ علم ودعوت اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس خسارہ کی حقیقت سے روشناس کیا اور علم وفکر اور اسلام کی عظیم الشان تاریخ کی روشنی میں اس کے نتائج کی طرف سب کی توجہ مبذول کی۔

اس عظیم تاریخی نظریہ سے بالخصوص پورے عالمِ اسلام نے اور بالعموم پوری امتِ اسلامیہ نے فائدہ اٹھایا، اور برسوں سے طے شدہ محدود نظریہ میں بڑا انقلاب برپا ہوا، اور جامع ایمانی اقدار میں دنیا جس خسارہ سے دوچار تھی اس میں تبدیلی آئی، اور پورا عالمِ اسلام اس حقیقت کی طرف لوٹ آیا جس کی طرف علامہ موصوف نے اپنی اس کتاب میں گفتگو کی تھی، کیونکہ اس کتاب کا مرکزی عنوان ہی اللہ کی طرف دعوت دینا، اور امتِ اسلامیہ کو دعوت الی اللہ کی تاریخ اور اسلام کی حقیقت کی معرفت میں درپیش کمی کے ازالہ میں مسلمانوں کا عمومی کردار بیان کرنا تھا۔

مولانا محمود حسنی ندوی اسی خاندان کے فرد تھے، جس کی آبیاری حضرت سید احمد شہید نے کی تھی اور جس کی فکری اٹھان اور علمی ودعوتی تربیت ہمارے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ہاتھوں ہوئی، جنہوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک پورے انسانی براعظم میں اپنی شخصیت کا لوہا منوایا، اور اسلامی کتب خانہ میں اور انسانی فکر ونظر کی دنیا میں اپنی دعوتی وفکری تصنیفات سے عظیم انقلاب برپا کردیا۔

اس وقت جب کہ ہم اس عظیم دعوتی خاندان کا تذکرہ کررہے ہیں ہم کسی قدر صراحت کے ساتھ یہ لکھنا باعثِ شرف سمجھتے ہیں کہ اس خاندان کے افراد ان علماء اور داعیوں میں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص اسلامی طریقۂ کار، دعوت الی اللہ، اسلام کی بھولی ہوئی تعلیمات کو زندہ کرنے اور شریعتِ اسلامیہ اور ایمان باللہ کی ضیاء بار کرنوں سے مسلمانوں کی زندگیوں کو منور کرنے کا شرف بخشا ہے، اور اللہ نے انہیں توفیق دی ہے کہ وہ پوری دنیا کو اس اسلام کی دعوت کی طرف دیں جس کی روشنی کبھی ختم ہونے والی نہیں، اور جو اپنے کمال کے ساتھ اور اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں سے ہمیشہ قائم ودائم رہے گا، اور یہ سب اس دین کامل کی بدولت ہوتا رہے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ بلیغانہ اور معجزانہ اسلوب میں اس طرح فرمایا ہے:

"اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً".

یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بہ حیثیت دین کے پسند کرلیا ہے۔

(عربی سے ترجمہ: عبدالمتین ندوی)

☆☆☆☆☆

اخلاص اور زہد وتقویٰ میں ممتاز

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی ☆

حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے عزیز گرامی مولانا سید محمود حسنی ندوی جو اپنے خانوادے میں بھی محبوب اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور تعلق رکھنے والوں کے نزدیک بھی محبوبیت کی شان رکھتے تھے، اپنے اخلاص ودین داری، تقویٰ وزہد میں ممتاز تھے، اپنے خاندان کے بزرگوں کی صحبت خاص طور پر حضرت مولانا علی میاں نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم اوران کے بھائی مرحوم کی تربیت اور صحبت نے ان میں ایک خاص محبوبیت کی شان پیدا کردی تھی، قرآن کریم میں ہے: "اِلَّا مَنۡ أَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ" [الشعراء:۸۹] ان کا قلب بالکل نروگا تھا، یہ سب ان کے بزرگوں کی صحبت اورنورانیت کا اثر تھا۔

وہ ندوۃ العلماء میں فضیلت اور کلیۃ الدعوہ کا کورس مکمل کرکے مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور جس کے مؤسس ان کے نانا حضرت مولانا محمد ثانی صاحب تھے، اس میں مدرس ہوگئے تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے اندر تصنیف وتالیف کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، تاریخی واقعات اور خاندانی معلومات پر پوری طرح وہ مطلع تھے اوراس پر سب سے بڑی دلیل ان کی وہ کتابیں ہیں جو ان کے قلم سے تصنیف میں آئیں جس میں انہوں نے اگر سیرت کی کتاب ہے تو اس میں صاحب سیرت کی زندگی کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے، اس سلسلہ میں ان کی کتاب سلاسل اربعہ، تاریخ اصلاح وتربیت اور تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔

انہوں نے اپنے نانا مولانا محمد ثانی صاحبؒ کی سیرت کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی زندگی کی پوری تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے، ان کی کتاب تاریخ اصلاح وتربیت کے پہلے حصہ پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اس ناچیز کا یہ تاثر ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب کی تحریروں کو اور ان کی تحریر کے مزاج کو اور کیفیت کو پوری طرح جذب کرلیا ہے، خلفائے راشدین کی حیات اور عہد عثمانی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے اختلافات کی وہ معتدل رائے پیش کی ہے جس کو حضرت مولانا علی میاں نوراللہ مرقدہ بیان فرماتے تھے، اسی طریقہ سے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما میں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کرکے اپنے دعوت وتربیت اور اصلاح میں مشغول کرنے کے لیے اپنے کو فارغ کرنا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جام شہادت نوش کرنا اور ایک ظالم وجابر طاقت کا مقابلہ کرنا اوراس میں جو اسرار وحکم ہیں وہ سب انہوں نے بیان کردیا:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ان کی حیات اور اخلاق کریمانہ پر کئی مقالات آچکے ہیں، بہرحال ان کا انتقال حسنی خاندان اور خود دار العلوم ندوۃ العلماء کے لیے ایک بڑا حادثہ ہے، اس ناچیز سے وہ بہت محبت کرتے تھے اوراس ناچیز کو بھی ان سے غیر معمولی محبت تھی، لکھنؤ اور ندوہ کے قیام میں اکثر وہ جائے قیام پر آتے تھے، مرحوم اخیر میں بار بار مجھ سے یہ کہتے رہے کہ ان شاء اللہ میں آپ کی سوانح لکھوں گا، لیکن مقدرات کو کوئی نہیں جانتا اور آج مجھے ان کے بارے میں تحریر لکھنی پڑ رہی ہے۔

حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کے پروگرام وغیرہ کی تفصیلات وغیرہ سے مطلع کرتے رہتے تھے، میرا انہیں کے ذریعہ سے فون سے حضرت مولانا دامت برکاتہم سے رابطہ رہتا تھا، ان کی علالت کی خبریں سنتا رہا، اخیر میں معلوم ہوا کہ الحمد للہ طبیعت بہتر ہے، جس سے بہت خوشی ہوئی، لیکن یہ ناچیز ۱۱/اگست کو عزیزی ڈاکٹر فرید الدین ندوی سلمہ کو لے کر ملیشیا کے سفر پر گیا تھا اور وہاں جانے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ میرے تین دن کے قیام میں تقریباً اجازت حدیث اور بخاری شریف کا تقریباً چھ محاضرہ ہے، ان میں سب سے اہم جامعہ اسلامیہ عالمیہ کی مسجد میں وہاں کے ڈائریکٹر نے یہ پروگرام رکھا تھا اوراس کا اعلان نٹ وغیرہ پر ہو چکا تھا اور ۱۲/تاریخ کی مغرب سے پہلے مجھے

☆ معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

وہاں جانا تھا کہ اچانک فون کے ذریعہ مولانا کے انتقال کے حادثہ کی خبر معلوم ہوکر بہت رنج ہوا، مجھے شبہ تھا کہ شاید مجھ سے بیان نہ ہوسکے، بہت ہی مشکل سے وہاں کا پروگرام میں نے مکمل کیا، اس کا سلسلہ مغرب سے عشا کی اذان تک جاری رہا، اس میں دعا کرائی اور مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا، اس پروگرام میں کئی حضرات ایسے ملے جو دار العلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا کے متعلقین میں سے تھے وہ خصوصی دعا میں شریک ہوئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا محمود حسنیؒ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے اور حسنی خاندان اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کو اس حادثہ سے جو صدمہ پہنچا ہے اس کے تحمل کی طاقت عطا فرمائے، گرچہ مرحوم کے حادثہ پر صبر وبرداشت کرنے کے لیے غیر معمولی عزیمت اور ہمت درکار ہے اور خاصان خدا ان کے سوا عام انسانوں کے لیے اس طرح کے حادثوں کا برداشت کرنا آسان نہیں:

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم اور ان کے پورے گھرانے کو صبر جمیل کی قوت عطا فرمائے۔ آمین!

اخیر میں ناظرین سے مرحوم کے لیے میں ایصال ثواب کی درخواست کر رہا ہوں، ان شاء اللہ ہمیشہ وہ اپنے کارناموں اور کتابوں سے زندہ رہیں گے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

دین وعلم سے شغف ومحبت

مولانا مفتی احمد خانپوری☆

مولانا سید محمود حسن حسنی مرحوم کی وفات سے قلق ہوا، وفات کی اطلاع ملنے پر ان کے لیے دعا وایصال ثواب کا اہتمام کیا تھا۔ موصوف احقر سے قلبی تعلق رکھتے تھے، ان کے اس تعلق کی بنا پر احقر کو بھی ان سے محبت تھی۔

حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی خاندانی میراث ''بزرگوں کی سوانح'' سے انہیں خاص لگاؤ اور تعلق خاطر تھا۔ متعدد اہل علم ومرحومین کے متعلق ان کے سیال قلم سے کئی مضامین منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ دوسال قبل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے معین مفتی، مفتی عبدالقیوم راج کوٹی سلمہ نے علامہ، فقیہ، محدث، ادیب، مسند، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی نور اللہ مرقدہ کے سوانحی نقوش جمع کرنے شروع کیے، تو احقر کے توجہ دلانے سے سوانح کا قیمتی مواد مولانا محمود حسن صاحب نے ارسال فرمایا اور اس خدمت کو وہ اپنی سعادت خیال فرماتے تھے، چنانچہ ''شیخ عبدالفتاح ابوغدہ - حیات وخدمات'' نامی مطبوعہ کتاب میں متعدد جگہ مراسلہ مواد ان کے شکریہ کے ساتھ مذکور ہے۔

حضرت اقدس مولانا علی میاں ندویؒ کی کتاب ''پرانے چراغ'' جلد سوم کو منظر عام پر لانے میں ان کا بڑا کردار رہا، اسی طرح ''کاروان زندگی'' کی جلد ہفتم کی تصحیح ونگرانی میں ان کا وافر حصہ رہا۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت نے مولانا محمود حسن صاحب کو جو دلی دعا دی تھی، وہ شرف قبولیت پا چکی تھی، حضرت اقدس مولانا علی میاںؒ نے موصوف مرحوم کے بارے میں تحریر فرمایا:

''(مصنف) عزیز القدر سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ کے لیے خاص طور پر دعا گو ہے، جنھوں نے اس کتاب [''کاروان زندگی'' حصہ ہفتم] کی تصحیح نگرانی وتاکید میں مدد کی: بارك الله فيه ووفقه بما يُحب ويرضى.'' (پیش لفظ، ص:۷)

احقر دل سے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے کارناموں کو زندہ رکھے، ان کی تصنیفات ومضامین سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے، پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل نصیب فرمائے۔ آمین!

اللّٰهم أكرم نزله، ووسع مدخله، وأبدله داراً خيراً من داره، وأهلاً خيراً من أهله، ونقّه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس، وباعد بينه وبين خطاياه كما باعدت بين المشرق والمغرب.

☆☆☆

☆سرپرست جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی ☆

بہت سے الفاظ کثرت استعمال سے اپنی معانی کھو دیتے ہیں، ان ہی میں ''داغ مفارقت'' بھی ہے، لیکن عزیزی محمود نے مفارقت کا جو داغ دیا مشکل ہے کہ وہ مندمل ہوسکے، وہ عمر میں مجھ سے تقریباً دوسال چھوٹے تھے، بچپن سے ہم دونوں کا ساتھ تھا جو اخیر تک رہا، ان کو دین کا ذوق بچپن سے حاصل تھا، جو عمر کے ساتھ بڑھتا گیا، وہ اپنے زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں بہت آگے گئے، ہر کام میں ان کے سامنے دینی فائدہ ہوتا، دنیا کے کسی ادنیٰ فائدہ سے ان کو کوئی رغبت نہ تھی، ان کو شروع سے بزرگوں سے استفادہ کا شوق تھا، مشائخ عصر کی خاص توجہ وشفقت ان کو حاصل رہی، متعدد مشائخ سے ان کو اجازت وخلافت بھی ملی، مگر انہوں نے کہیں اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ان پر خاص نظر شفقت تھی، اخیر میں وہ حضرت کے علمی کاموں میں معاون بنے، خاص طور پر کاروان زندگی کی آخری جلد کی تکمیل جو حضرت نے معذوری کے زمانہ میں کی، محمود نے حوالوں کی تلاش میں بڑی مدد کی اور حضرت کی دعائیں لیں، اس کے مقدمہ میں حضرت نے ان کا تذکرہ کیا اور دعائیں دیں، ان کی وفات کے بعد وہ حضرات شیخین کے ہوکر رہ گئے، سفر وحضر میں جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ رہے، سفرنامے بھی لکھے اور حضرت مدظلہ کے علمی کاموں میں خاص معاون رہے، یہاں تک کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

ان کو لکھنے کا ذوق روزنامچہ لکھنے سے پیدا ہوا، پھر وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا روزنامچہ لکھنے لگے، دسیوں ڈائریاں لکھ ڈالیں، جو اب ایک یادگار اور ایک بڑا خزانہ ہے، سوانح نگاری کا ذوق ان کو اپنے نانا حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ سے ملا جو مزید پروان چڑھا، دسیوں ضخیم کتابیں انہوں نے کم وقت میں تیار کردیں، ان کا قلم سیال تھا، لکھتے تو ایک ہی نشست میں دس دس بیس بیس صفحے لکھ ڈالتے، ان کا حافظہ مضبوط تھا، مراجع ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، لکھنا ان کی ہابی (Hobby) تھی، وفات سے چند دن پہلے وہ چنڈی گڑھ جانے کے لیے لکھنؤ آئے تھے، اپنے کمرہ میں تھے، ہم اندر تھے تو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں، ہم نے کہا کہ ''محمود اپنے اوپر رحم کرو۔'' بولے کہ ''مولانا یونس صاحب نے بڑی اچھی ایک بات فلاں جگہ لکھی، خیال آیا کہ نوٹ کرلیں۔'' جن بزرگوں کی انہوں نے سوانح حیات لکھے، ان میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی، مولانا شاہ ابرار الحق حقی، مولانا زبیر الحسن کاندھلوی، مولانا محمد یونس جونپوری، مولانا عبد اللہ حسنی، مولانا عبد الباری بھٹکلی ندوی شامل ہیں، مولانا سلمان صاحب مظاہری کی سوانح بھی بڑی حد تک مکمل ہورہی تھی، ''عائشہ بی'' کے نام سے خاندان کی بزرگ خاتون حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی مکمل سوانح لکھی، ان کے علاوہ تاریخ اصلاح وتربیت کی دو ضخیم جلدیں طبع ہوئیں، دس جلدوں کا خاکہ ان کے ذہن میں تھا، مزید دو جلدوں کا مواد تیار ہے، تیسری جلد مکمل ہوچکی تھی جو انشاء اللہ جلد ہی چھپے گی، سلاسل اربعہ ان کا مقبول رسالہ ہے جو شاید لاکھوں کی تعداد میں چھپا اور نہ جانے کتنی کتابیں انہوں نے دوسروں سے لکھوائیں، کبھی خود لکھ لکھ کر دیں۔

وہ بڑے ذاکر وشاغل تھے، ذکر سے ان کو شروع سے مناسبت تھی، قدرے جہر سے ذکر کرتے، تلاوت کا بھی اچھا معمول تھا، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، اہل تعلق کو ایئرپورٹ یا اسٹیشن لینے جاتے پھر چھوڑنے جاتے، ہر ایک کے کام آتے، کھلانے پلانے کا شوق تھا۔

حق بات کہنے میں ان کو کوئی باک نہیں تھا، ''لَا یَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ'' کا مصداق تھے، اخیر میں صحابہ کے دفاع میں تیغ براں تھے، اللہ کے لیے ان کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی، غلط کام پر ٹوکتے، شاگردوں کی رہنمائی کرتے اور ان کو کامیابی کے راستے بتاتے، نہ جانے کتنوں کو انہوں نے کام پر لگادیا اور کتنوں کو مصنف بنادیا۔

اللہ نے عزیز موصوف کو بڑی صفات اور بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، جو یقیناً دوسری دنیا میں ان کے کام آرہی ہوں گی، لیکن ہم لوگوں کے لیے یہ بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ رحم کا معاملہ فرمائے جانے والے پر اور صبر دے باقی رہنے والوں کو اور صحت وعافیت کے ساتھ رکھے ان کے بھائیوں اور اہل خانہ کو، ''خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود'' کے وہ مصداق تھے، عمر کی پچاس بہاریں انہوں نے دیکھیں، لیکن کام سو سال کا کر گئے۔

☆☆☆☆☆

☆ ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ

عالی مرتبت خاندان کے ہونہار فرد

مولانا عبدالعلیم فاروقی ☆

۱۳ محرم ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲ اگست ۲۰۲۲ء یوم جمعہ بوقت صبح خاندان حسنی کے چشم و چراغ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی کے لخت جگر مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ طویل بیماری کے بعد رحلت فرما گئے۔ اللہ پاک رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے اور درجات بلند کرے۔ موت ایک یقینی چیز ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور جب اس کا وقت آجاتا ہے تو اس میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر کی گنجائش باقی نہیں رہتی: "فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ"۔

مولانا سید محمود حسنی ایک عالی مرتبت خاندان کے ہونہار فرد تھے، ان کی پرورش قابل رشک تھی، ان کے بزرگوں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ اور ان کے حقیقی نانا عارف باللہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ تھے اور چھوٹے نانا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم ہیں۔ (آخر الذکر مرشد الامت ہم سب کے مخدوم و مطاع ہیں، حق تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ ان کو سلامت رکھے)۔

ایسے پارسا اور پاک باز اللہ والوں کی آغوش میں جس بچے نے تربیت حاصل کی ہو وہ ان شاء اللہ ضرور "محمود العاقبہ" ہوگا۔

مجھ راقم الحروف جیسا قریبی تعلق رکھنے والا اگر اپنا مشاہدہ پیش کرے تو بے جا نہ ہوگا اور اس کو کسی مبالغہ پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا، مولانا محمود حسنی سن شعور تک پہنچے تو عام نوجوانوں جیسا ہم نے ان کو نہیں دیکھا، ہمیشہ اچھی باتوں کی فکر میں رہنا ان کا مزاج تھا، اچھے لوگوں کے تذکرے سے ان کو ایمانی مسرت حاصل ہوتی تھی اور بری باتوں سے ان کو بہت زیادہ الجھن اور کبیدگی پیدا ہوتی تھی، گویا کہ ان کی طبیعت اور مزاج میں شریعت کا عنصر غالب تھا جس کی عام طور پر صوفیائے کرام تعلیم دیتے ہیں کہ شریعت جب تک طبیعت نہ بن جائے اس وقت تک کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

میرے اپنے خیال میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار محاسن میں یہ بات شامل ہے کہ حضرتؒ نے اپنے زمانہ کے بزرگوں سے اس درجہ قربت حاصل کی اور ان کا عطر کشید کیا جو ان کی خصوصیت میں شمار ہوتا ہے، اسی طرح مولانا سید محمود حسنی نے اکابر سے تعلق قائم کیا، اہتمام سے ان کے پاس جا کر کسب فیض کرنا ان کے معمول میں داخل تھا۔

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق علیہ الرحمہ جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے انتہائی بافیض خلفاء میں تھے، جنھوں نے احیاء سنت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا، عام اجتماع یا خصوصی مجلس ہو، گھریلو ماحول ہو یا مدرسہ کی چہار دیواری، سنتوں کا بھرپور خیال فرماتے تھے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ سنت کی بات تو کرتے ہیں مگر خود سنتوں کا اتنا خیال نہیں کرتے جیسا کرنا چاہیے، مگر حضرت مولانا ابرارالحق رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خود بھی سنتوں کا پورا پورا خیال رہتا تھا۔ میرے عزیز مولانا محمود حسنی حضرت والا سے بہت زیادہ تعلق رکھتے تھے اور ان کے گرویدہ تھے، ان کی گرویدگی اور محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی سوانح بڑے والہانہ انداز میں مرتب فرمائی، جس کو علمائے کرام اور دین سے تعلق رکھنے والوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اسی طرح وقت کے دیگر اکابر سے بھی ان کا غیر معمولی تعلق رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین سے اس تعلق کے بہتر اثرات قائم فرمائے اور مولانا کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

مولانا مرحوم میرے پاس بھی اکثر آیا کرتے تھے، بزرگوں کے حالات اور واقعات معلوم کرتے اور خاص طور پر میرے اساتذہ کے بارے میں پوچھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا اسعد اللہ مرحوم) کے احوال سن کر اتنا متاثر ہوئے کہ حیرت کے آثار ان کے چہرے پر صاف محسوس ہو رہے تھے، برصغیر کا شاید ہی کوئی ایسا علمی و دینی گھرانہ ہو جس سے وہ ناواقف ہوں، جن بزرگ کا بھی تذکرہ ہوتا ان کے احوال پورے استحضار کے ساتھ اور بعض اوقات تاریخی ترتیب سے سنا دیتے تھے۔

مولانا بڑے خوش نصیب لوگوں میں سے تھے، انھوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو صلحاء سے معمور گھرانہ دیکھا، عبادت و ریاضت، خلوص وللّٰہیت اور زہد و تقویٰ کا ماحول، علم و عمل، خاکساری اور انسانیت نوازی کے نمونے سب ان کے اردگرد موجود تھے، ایسے پاکیزہ ماحول اور صاف ستھرے معاشرہ کے اثرات مرحوم کی زندگی میں پورے طور پر پائے جاتے تھے، طبیعت میں نیکی و ملنساری اور خندہ جبینی اور گفتگو میں حلاوت ان کی اعلیٰ صفات تھیں، نفع رسانی اور خیر خواہی کا جذبہ دینی بنیادوں پر ان کی ذات میں موجود تھا، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ فرمائے اور صلحاء کے ساتھ ان کا حشر فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

☆ مہتمم دارالمبلغین، لکھنؤ

اسلاف کی حقیقی میراث کے امین

مولانا محمد سعد کاندھلوی☆

۱۳ر محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲ر اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ، حضرت مولانا سید محمد الثانی الحسنی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے نواسے، خانوادۂ علم اللہ کے نیر تاباں، چمکتا ستارہ اور اپنے اسلاف کے روحانی اور حقیقی سرمایہ میراث کے امین: حضرت مولانا سید محمود حسن الحسنی نور اللہ مرقدہ اپنی حقیقی اور آخری منزل سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون، أعظم اللہ لنا ولكم الأجر، وألهمنا وإياكم السلوان والصبر، إنه من المواهب الإلٰهية وعواريه المستودعة، متعنا الله به إلى أجل معدود وقبضه لوقت معلوم بأجر عظيم إن شاء الله تعالىٰ.

مولانا مرحوم کی رحلت کسی مخصوص علاقہ، شعبہ یا ادارہ کے لیے نہیں، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے بڑا خسارہ ہے، جس کو حدیث پاک میں "ثلمة لا تسد" فرمایا گیا، علی الاخص آنجناب عالی کے لیے بڑی آزمائش اور ایک صبر آزما امتحان ہے، کیونکہ اس نوعیت کی ہمہ جہت شخصیات ہی کسی تحریک اور اس کے فائدہ کے لیے دست وبازو ہوتی ہیں، جن کے باعث وہ منازل ارتقاء طے کرتی اور اپنے اہداف ومقاصد کو سر کرتی ہیں، مولانا مرحوم بھی اس عظیم جماعت کے رکن وطید اور اس چمن پر بہار کے شجرہ مثمرہ تھے، جس کی تعمیر وآبیاری مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اسی عظیم صحبت وتربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ مولانا مرحوم اک ایسی ہمہ جہت شخصیت بن کر عالم اسلام کے افق پر نمودار ہوئے، جس نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی حیات ہی میں مولانا کا اعتماد حاصل کرکے امت مسلمہ کے قلوب میں انمٹ نقوش پیدا کردیے تھے اور پھر اللہ جل جلالہ نے مولانا مرحوم سے تقریر وتحریر، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ وغیرہ کے تمام شعبوں میں کام لیا اور خوب لیا، بالخصوص تصنیف وتالیف اور تذکرہ نگاری سے مولانا مرحوم کو بڑی مناسبت اور اس کا خاص وہبی ذوق تھا،م ؎ تعلق تھا اور مولانا مرحوم تصنیف وتالیف اور اپنی گراں قدر تحریر کے ذریعہ اسلاف کی اس روحانی میراث کو محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو امت مسلمہ مرحومہ کے اندر منتقل کرنا چاہتے تھے، کیونکہ مولانا خود اسلاف کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کے اخلاق وسیرت، ایمان باللہ والرسول، مغیبات پر یقین، عالی اخلاق، تواضع و انکساری اور اخلاص وللّٰہیت وغیرہ کی حلاوت اور اس کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔

ان تمام مصروفیات کے باوجود دعوت وتبلیغ سے محبت اور شغف مزید برآں، اس کے لیے اسفار، تقریراً تحریراً اور عملاً تمام احوال عسر ویسر اور موافق و ناموافق میں اس کی تائید وترغیب مولانا مرحوم کا جزو حیات تھی، بنگلہ والی مسجد مرکز نظام الدین بالخصوص خانوادۂ الیاسی سے مولانا مرحوم کا تعلق، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے تعلق کا عکاس وترجمان تھا۔

یقیناً کسی عزیز کی رحلت ووفات سے بڑھ کر انسان کے لیے کوئی شے صبر آزما نہیں ہوسکتی، آنجناب محترم دامت برکاتہ العالیہ کے لیے مولانا مرحوم کی رحلت بڑے غم کا باعث ہے، تاہم اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے اس مبارک خانوادہ علم اللہ کو پانچ صدیوں سے زائد عرصہ سے اس ملک کے ظلمت کدوں میں علم وہدایت کے چراغوں کو روشن کرنے کے لیے منتخب فرمایا ہوا ہے، مستقبل میں بھی ہم اللہ رب العزت کی ذات عالی سے امیدوار ہیں کہ اللہ رب العزت اس سلسلہ خیر کو جاری رکھے گا اور پیہم رجال کار کے اس مبارک سلسلہ کو تا قیام قیامت امت مسلمہ کے لیے بے لوث خدام دین کے مہیا ہونے کا ذریعہ فرمائے گا، نیز جس طرح دار العلوم ندوۃ العلماء نے امت کو امتیازی خصوصیات اور اسلاف کی روحانی میراث کے حاملین خدام، مصلحین، دعاۃ ومبلغین باذن اللہ فراہم کیے ہیں، اس پرفتن دور میں اللہ اس کی حفاظت بھی فرمائے، اسی طرح اس رجال ساز مینارے کو ہمیشہ سربلند وزرخیز بنائے۔ آمین!

مولانا مرحوم کی رحلت پر بندہ اور جملہ احباب بنگلہ والی مسجد آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت مولانا مرحوم کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ کر ابدی راحتیں نصیب فرمائے، اعلیٰ علیین میں پیہم ترقی درجات سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

☆مرکز نظام الدین، دہلی

مولانا محمود حسن حسنی - نقوش وتاثرات

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

سن ۱۹۸۰ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضر ہوا، چند مہینے کے بعد دارالعلوم میں تدریس کی ذمہ داری کا آغاز ہوا، دارالعلوم ندوۃ العلماء برصغیر ہندو پاک کے چند بڑے اداروں میں ہے، اس کی اپنی خصوصیات وامتیازات ہیں، اللہ تعالیٰ نے عظیم بافیض شخصیات سے اس ادارہ کو نوازا اور عالمی پیمانے پر اس کی شہرت ہوئی، ہندوستان ہی نہیں مختلف دوسرے ممالک کے طلباء بھی یہاں زیر تعلیم رہتے ہیں اور یہاں کے نظام تعلیم وتربیت سے وابستہ رہ کر دین کی خدمت اور دفاع کا جذبہ لے کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور اپنی صلاحیت اور بساط کے مطابق دینی خدمات انجام دیتے ہیں۔

اس عظیم علمی ادارے میں طویل زمانے تک تدریسی خدمات انجام دینا اللہ جل شانہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے، اپنا نامۂ اعمال تو نیکیوں سے خالی نظر آتا ہے لیکن اللہ جل شانہ نے طویل مدت تک دینی علوم کی درس وتدریس کا جو موقع عنایت فرمایا، اسی کو ذخیرہ آخرت سمجھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آخرت میں شاگردوں کی دعائیں ان شاء اللہ سب سے بڑا ذخیرہ اور جنت تک پہونچانے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

بلاشبہ بیالیس سال کی طویل مدت میں ہزاروں شاگردوں سے واسطہ پڑا، ان کی تعلیم و تربیت میں مجھ سے جو بھی کوتاہیاں ہوئی ہوں لیکن ان طلباء نے اپنی طلب اور جدوجہد سے علم دین کا جو حصہ مجھ سے حاصل کیا، ان شاء اللہ وہ میرے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوگا اور شاگردوں کے ذریعہ ان علوم کا تسلسل قائم رہے گا۔

میرے عزیز شاگرد جناب مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ طویل علالت کے بعد ہم سے رخصت ہوگئے اور دل ودماغ پر ایک گہرا زخم چھوڑ گئے، بعض مخلصین کا اصرار ہے کہ میں ان کے بارے میں اپنے تاثرات قلم بند کروں، طبیعت میں اس کا تقاضہ پہلے سے تھا لیکن عزیز گرامی مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی کے بار بار کے تقاضے نے مہمیز کا کام کیا اور اس طرح قلم بند کرنے بیٹھا ہوں۔

مولانا محمود حسن حسنی مرحوم کو بچپن سے دیکھ رہا تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تکیہ کلاں رائے بریلی بار بار جانا ہوتا تھا، رمضان المبارک میں خاص طور سے چند ایام وہاں گذارنے کی کوشش کرتا تھا، حسنی خاندان کے جو بچے وہاں نظر آتے تھے، ان میں مولانا محمود حسن حسنی مرحوم بھی تھے، بڑے بھولے بھالے، سادہ اور شریف، ہر ایک کی عزت وتوقیر کرنے والے، مہمانوں کی خدمت کرنے والے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے، نماز باجماعت کے پابند، تلاوت قرآن کے رسیا، حضرت مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں برابر رہنے کی کوشش کرنے والے، سعادت وشرافت ان میں خاندانی تھی، لکھنے پڑھنے کا مزاج تھا، تحریر وتصنیف کا سلیقہ خاندانی تھا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں وہ میرے عزیز شاگردوں میں تھے، مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے مجھ سے کون سی کتابیں پڑھیں لیکن ان کا میرے ساتھ برتاؤ سعادت مند شاگرد ہی کا رہا، میری تصانیف ومضامین کو برابر پڑھتے تھے اور اپنے تاثرات اور عقیدت مندی کا اظہار کرتے تھے، بعض موضوعات پر لکھنے کا تقاضہ بھی کرتے تھے۔

تمام بزرگانِ دین اور مشائخ وقت سے رابطہ رکھتے تھے، جب تک کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ حیات تھے، ان سے وابستہ رہے اور ان کی رحلت کے بعد حضرت مولاناؒ کے جانشین، ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے برابر عقیدت مندانہ اور وفادارنہ تعلق رکھا، حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی، حضرت مولانا صدیق احمد باندوی، حضرت مولانا ابرارالحق حقی ہردوئی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری وغیرہ اکابر علماء اور مشائخ سے گہرا ربط اور تعلق رہا اور ان سے کے ملفوظات وافادات مرتب اور قلم بند کرنے کی کوشش کرتے رہے، انہوں نے بڑی کم مدت میں کئی بزرگوں کی سوانح عمری لکھی، حضرت مولانا ابرارالحق حقیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری، حضرت مولانا محمد زبیرالحسن امیر جماعت تبلیغ کی سوانح پر ان کی تصنیفات شائع اور مقبول ہیں، حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کی مفصل سوانح انہوں نے سپرد قلم کی، یاد آتا ہے کہ

☆ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے حالات پر بھی ان کی ایک کتاب ہے، یہ سب کتابیں چند برسوں میں تیار ہوئیں اور شائع کی گئیں، اللہ تعالیٰ نے قلم کو ان کے لیے مسخر کر دیا، بڑے زود نویس تھے، انہیں تصنیف وتالیف کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، متعدد بار دیکھا کہ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، باتیں بھی کر رہے ہیں اور شغل تصنیف بھی جاری ہے، میری کمزوری یہ ہے کہ پوری طرح یکسو ہوئے بغیر چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتا، ان کی تصنیف وتالیف کا خصوصی موضوع تذکرہ وسوانح تھا، اس موضوع سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی، اپنے نانا حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے بعد تذکرہ نگاری کا خصوصی ذوق ومزاج انہوں نے میراث میں پایا تھا، خاندان شاہ علم اللہ کے بزرگوں کے حالات سے بہت واقف تھے، سادات تکیہ کلاں رائے بریلی کے بارے میں ان کی واقفیت کافی وسیع تھی۔

ان کے چند سال سخت بیماریوں میں گذرے لیکن امراض اور تکلیفوں کے باوجود تحریر وتصنیف کا سلسلہ برابر جاری رہا، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کا ٹائم بالکل ضائع نہ ہو بلکہ ہر ممکن مطالعہ و تصنیف میں صرف ہو۔

ان کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ان کی کتاب 'تاریخ اصلاح وتربیت' ہے، اس کی دو جلدیں ہی شائع ہوسکیں، کاش کہ انہیں عمر نے مہلت دی ہوتی اور وہ اس زریں سلسلے کو مکمل کر پاتے تو بڑا عظیم کارنامہ ہوتا اور انتہائی مفید کام ہوتا، تاریخ اصلاح وتربیت کی پہلی جلد شائع ہوئی، اسی سال میری تحقیق وتسہیل کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب 'ازالۃ الشکوک' چار جلدوں میں شائع ہوئی، دونوں کتابوں کا اجرا ایک ہی مجلس میں ندوۃ العلماء کے مہمان خانے کے سامنے ایک پرشکوہ اجتماع میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ہاتھوں ہوا، حضرت مولانا تقی الدین ندوی دامت برکاتہم (موجودہ معتمد تعلیم ندوۃ العلماء) بھی اس نشست میں موجود تھے، انہوں نے 'تاریخ اصلاح و تربیت' جلد اول کی تصنیف پر نوجوان مصنف کے لیے پچاس ہزار روپئے کے انعام کا اعلان کیا۔

اس کتاب کی جلد دوم ۱۴۴۱ء-۲۰۲۰ء میں سید احمد شہید اکیڈمی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی کی طرف سے شائع ہوئی، کتاب کی جلد دوم اس وقت میرے پیش نظر ہے، یہ نسخہ خود عزیز گرامی مصنف کتاب مولانا سید محمود حسن حسنی مرحوم نے مجھے پیش کیا تھا، جس پر ان کے قلم سے لکھا ہوا ہے: ''بخدمت گرامی استاذی ومخدومی حضرت مولانا عتیق احمد دامت برکاتہم ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ''۔

(ناچیز محمود حسن حسنی ندوی، ۱۸ر رجب المرجب ۱۴۴۱ھ)۔

'تاریخ اصلاح وتربیت' کی پہلی جلد سیرت نبویؐ کے علاوہ خلفاء راشدین اور اہل بیت نبویؐ کے حالات وکمالات پر مشتمل تھی اور جلد دوم میں صحابہ کرامؓ کے حالات وکمالات اور ان کی دینی خدمات کا تعارف ہے، اس جلد کے صفحات پانچ سو چھیاسی ہیں، اس جلد میں اڑتالیس صحابہ اور صحابیاتؓ کے حالات وکمالات کا بہترین مرقع پیش کیا گیا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ، ان کی گرانقدر دینی خدمات دین کے لیے ان کی قربانیوں کا بخوبی علم ہوتا ہے، 'تاریخ اصلاح وتربیت' کی جلد دوم ان حالات میں شائع ہوئی جب کہ حلقہ ندوہ کے ایک بڑے عالم نے مقام صحابیت کو مجروح کرنے اور بعض کبار صحابہ کو متہم و مخدوش کرنے کی منحوس مہم شروع کر رکھی تھی جس کی وجہ سے اہل علم میں بڑی تشویش اور بے چینی پائی جارہی تھی، اس پس منظر میں کتاب کی جلد دوم بہت بروقت شائع ہوئی اور صحابہ کے بارے میں پیدا کی جانے والی غلط فہمیوں کا اس سے ازالہ ہوا، کتاب کی جلد دوم کا مقدمہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے قلم سے اور اس کا پیش لفظ ناظر عام ندوۃ العلماء مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کے قلم سے ہے اور ان دونوں میں صحابہؓ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں بڑی فیصلہ کن اور واضح باتیں تحریر ہیں، خود مصنف نے آغاز کتاب میں مقام صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے عنوان سے مفصل تحریر لکھی ہے جو بیس صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اقوال سلف کی روشنی میں مقام صحابہؓ کے بارے وہی باتیں تحریر ہیں جو اہل سلف کا متفقہ موقف ہے۔

اس جلد میں جن صحابہ کے حالات درج کیے گئے ہیں، ان میں امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہما بھی ہیں، ان کے حالات صفحہ چار سو گیارہ سے لے کر چار سو ستائیس تک درج ہیں، اسی طرح حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کے بھی تفصیلی حالات کتاب میں مذکور ہیں، غرضیکہ جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو

ناقد صحابہ نے خاص طور سے اپنا نشانہ بنایا تھا، ان کا تذکرہ بڑی عظمت اور اہمیت کے ساتھ اس جلد میں کیا گیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ 'تاریخ اصلاح و تربیت' کی جلد دوم کو صحابہ کے لیے مخصوص کرنے کا بڑا محرک وہ فتنہ بھی رہا ہوگا جو اس جلد کی تصنیف سے پہلے پوری شدت کے ساتھ برپا تھا اور مصنف کتاب اس کی شدت پورے طور سے محسوس کر رہے تھے اور اس حوالے سے وہ سنگین حالات سے دوچار تھے۔

'تاریخ اصلاح وتربیت' کا منصوبہ میرے علم کے مطابق سات آٹھ جلدوں کا تھا، کاش یہ سلسلہ مکمل ہوجاتا، بہت ہی مفید ومؤثر ہوتا، یہ بات بھی معلوم ہوتی تھی کہ جلد سوم کی تصنیف تقریباً مکمل ہے، اللہ کرے اس کی اشاعت بھی جلد ہوجائے اور کوئی باتوفیق نوجوان اہل قلم اس سلسلے کو مکمل کرنے کا بیڑا اٹھالے۔

مولانا محمود حسن حسنی مرحوم دوتین سال سے شدید امراض میں مبتلا تھے، ایلوپیتھ علاج سے حتی الامکان دور رہنے کی کوشش کرتے تھے، طبیعت کبھی کچھ بہتر ہوجاتی تھی تو وہ پوری مستعدی کے ساتھ تصنیفی کاموں میں لگ جاتے تھے، ان کی صحت اس کی متحمل نہیں تھی کہ وہ کوئی بڑا تصنیفی کام کریں لیکن کام کی لگن ان سے کچھ نہ کچھ کام کروالیتی تھی، ان کے اعضائے رئیسہ بری طرح متاثر ہوچکے تھے بالآخر گردہ فیل ہوا، ان کا وقت موعود پہونچ گیا اور وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور عفو ومغفرت کا معاملہ فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ایک نیک دل اور پاکباز شخصیت

مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی ☆

مولانا محمود حسن حسنی ایک بے مثال، دیندار، ہونہار عالم ومصنف تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ العزیز جن کی شخصیت کے اس صدی کے مجدد بلکہ رأس المجددین ہونے میں راقم کو بلاتردد کہنے میں کوئی جھجک نہیں' کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی زیر سرپرستی جو طبقہ پیدا ہوا، اس کی اعلیٰ مثال تھے۔

مرحوم تقریباً اکیاون سال کی عمر میں وہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کرلی تھیں، جن کا اس سے بہت زیادہ عمر پانے والوں میں اپنے اندر پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے، یقیناً اس میں گھر کا ماحول، سرپرستوں کی شفقت اور خصوصی توجہ جہاں مؤثر ہے، وہیں ان کے جوہر کامل ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔

چھوٹے بڑے ہم عمر اور ہم سن سبھی جن کا بھی ان سے سابقہ پڑا، ان کے علمی انہماک، سخاوت، ہمدردی اور تواضع وانکساری کے ساتھ دوسروں کا حوصلہ بڑھانے اور اپنے سے آگے بڑھانے میں وہ دل وجان سے انتہائی قربانی دے کر اور خود تکلیف اٹھا کر بھی کوشش کرتے تھے۔

ان کی اعلیٰ صفات اور پھر بیماری میں بھی ان کا مسلسل رابطہ کبھی عیادت کی نیت سے، کبھی خالص ان کی محبت سے برابر رہا، ہم لاکھ ان کی کوئی خدمت کرنا چاہیں وہ ہم سے اتنے آگے بڑھ جاتے کہ ہم سوچ نہیں سکتے تھے، ان کو اپنے اہل تعلقات کی حاجت ہی نہیں مرغوبات کا بھی علم رہتا تھا اور ان کو پہلے سے مہیا رکھنے کی کوشش کرتے تھے یا پھر اپنے کسی خادم سے بعد میں گھر بھجواتے، رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ أحسن مایجزی عبادہ الصالحین.

مولانا محمود حسن حسنی نے سوچ سمجھ کر طے کرلیا تھا کہ مجھے اپنی آخرت بنانی ہے، دنیا تو قسمت کی مل کر رہے گی، مال ہو کہ رزق یا عزت وناموری، اگر صرف دنیا کی ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے کہ دنیا خود چار روزہ ہے پھر کیا؟ ہاں آخرت کی دائمی ابدی روز افزوں نہیں، ہر گھڑی ہر آن بڑھتے رہنے والی عزت جو رضاء الٰہی کو پیش نظر رکھ کر زندگی گذارنے میں ملتی ہے وہ اصل اور مقصود ہے۔

اگر اسکے حصول میں کوئی آڑے آتا ہے تو آئے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کسے باشد، خواہ وہ کتنا ہی قریب ہوچاہے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس میں وہ تلخ لہجہ اختیار کرنے میں بھی جھجک نہیں محسوس کرتے تھے اور اس سے دوری اختیار کرنے میں بھی۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور ہر پل درجات بلند فرمائے کہ ایک مومنانہ شان کی زندگی گذار گئے اور اسی حال میں اپنے خالق ومالک کی دربارِ رحمت میں پہنچ گئے، غفر اللّٰہ لہ مغفرۃ تامۃ ورحمہ رحمۃ کاملۃ۔

☆☆☆☆☆

☆ نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایک محمود صفات شخصیت

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی ☆

ایک انگریز صاحبِ قلم ادیب کا قول ہے کہ کامیاب انسان وہ ہے جو دنیا سے جانے سے پہلے ایسی کتابیں لکھ جائے جو سو سال تک پڑھی جائیں یا کم از کم وہ دنیا میں ایسا بڑا کام کر جائے کہ اس کے بارے میں کتابیں لکھی جائیں جو سو سال تک پڑھی جائیں، یہ وہ دنیوی نقطۂ نظر ہے جو دنیا کے اہل علم و قلم میں معروف و مشہور ہے، اہل دین کا نقطۂ نظر اس سے مختلف ہے، اہل دین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کامیاب انسان وہ ہے جو اس دار العمل میں ایسے کام کر کے جائے جو اللہ کے یہاں مقبول ہو۔ محمود حسن حسنی ندوی جن کے لیے اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے، ایسی شخصیت تھی جو دین اور دنیا دونوں میں کامیابی کے معیار پر پوری اترتی تھی، دنیوی نقطۂ نظر کے اعتبار سے دیکھئے اور مولانا محمود حسنی کی ایک کتاب شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اٹھایئے، اس کتاب پر مصنف کی حیثیت سے مولانا ابوالحسن علی ندوی کا نام لکھا ہوا ملے گا، یہ کارنامہ مولانا محمود حسن حسنی کا ہے کہ انہوں نے مولانا علی میاں کی پچاسوں تقریروں اور تحریروں کو جن میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کا ذکر آیا ہے، وہ خوبصورت ترتیب عطا کی کہ ایک مرتب کتاب، ایک منضبط تصنیف تیار ہوگئی، تصنیف وتالیف کی پوری تاریخ میں اس کی مثال آسانی کے ساتھ نہیں ملے گی، یہ تصنیف کی تاریخ کی ایک نایاب کتاب ہے یا یوں کہیے یہ حضرت مولانا علی میاں کی وہ کتاب ہے جو انہوں نے اپنے انتقال کے بعد لکھی ہے اور ان کے انتقال کے بعد چھپی ہے، اس طرح کی کتابوں کے نمونے تصنیف کی تاریخ میں کم ملیں گے، مولانا محمد اویس ندوی رحمۃ اللہ علیہ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک کتاب تفسیر ابن قیم ہے، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی کوئی کتاب نہیں لکھی تھی لیکن ان کی کتابوں میں پھیلے ہوئے تفسیری نکات کو مولانا اویس صاحبؒ نے کتابی شکل میں جمع کر دیا تھا۔

راقم سطور کا علم بھی محدود اور مطالعہ بھی محدود لیکن اس نے مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلی ہوئی تمام کتابیں پڑھی ہیں اردو بھی اور عربی بھی اور بعض کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی، اس لیے یہ غلط فہمی یا خوش فہمی اس کو رہی ہے کہ وہ حضرت مولانا کے افکار وخیالات سے واقف ہے، اس لیے کبھی کبھی اس کے زبان قلم سے مولانا کے بارے میں وہ باتیں نکل جاتی ہیں جو کوئی اور دوسرا نہیں کہتا ہے، مولانا نذر الحفیظ ندوی کی آخر زندگی میں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ کے وہ ملفوظات سامنے آئے جو انہوں نے رائے بریلی میں رمضان کے مہینہ میں مرتب کیے تھے اور یہ کتاب ہم تک پہنچی اور پھر مولانا نذر الحفیظ صاحب کا انتقال ہوگیا پھر میں نے ان کی ابوالحسن شناسی پر ایک مضمون لکھا جس میں میں نے یہ ''عجیب وغریب'' خیال پیش کیا کہ مولانا علی میاں نے عصر حاضر کی بہت سی عظیم گراں مایہ شخصیتوں پر کتابیں لکھی ہیں جن سے انہوں نے براہ راست دینی اور روحانی استفادہ کیا اور نہ ان سے وابستہ رہے لیکن اس کے باوجود یہ شخصیتیں مولانا کی نگاہ میں رول ماڈل نہیں ہیں، اس لیے کہ مولانا کا اپنا جو تصور دین تھا (جو ماذا خسر العالم اور دوسری کتابوں میں موجود ہے) اس کے چوکھٹے میں یہ تصویریں اور یہ شخصیتیں پورے طور پر فٹ نہیں ہوتی ہیں، ہاں البتہ سید احمد شہید جیسی شخصیت پورے طور پر فٹ ہوتی ہے، میرا گمان تھا کہ میری اس تحریر سے رائے بریلی کے حلقہ میں اور حسنی خاندان میں انقباض ہوگا، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا ٹیلیفون آیا جو بہت کم آتا تھا انہوں نے مجھ سے میرے خیال سے اتفاق کیا تھا، میں نے ان کی گفتگو کو اپنے لیے سند سمجھا اور پھر زبانی گفتگو میں مولانا علی میاں کے بارے میں یہ باتیں کئی بار میری زبان پر آئیں۔

کئی سال پہلے رمضان میں جب رائے بریلی جانا ہوا تھا، انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ اصلاح وتربیت'' کا مسودہ دکھایا تھا پھر اس کی ایک دو جلدیں بھی شائع ہوگئیں پھر ان کی کتابیں آسمان سے بارش کے قطروں کی طرح برسنے لگیں سال میں ایک دو کتابیں۔ زیادہ تر کتابیں سیرت وسوانح سے متعلق، وہ ایک سوانح نگار مصنف کی حیثیت سے منظر تصنیف پر سامنے آئے، آخر میں انہوں نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی خود نوشت سوانح 'اوراق زندگی'' بھی مرتب کردی جو دو جلدوں میں ہے اور ایک جلد شائع ہوچکی ہے، ان کا قلم بے حد سیال تھا، اس سے لہریں اور موجیں اٹھتی تھیں، ایک ادیب اور مصنف کی حیثیت سے ان کو قریب ودور.....

.....بقیہ صفحہ ۲۱ پر

☆ رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ

آہ! مولانا محمود حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی ☆

یاد آتا ہے، رمضان کا مہینہ تھا۔ تکیہ رائے بریلی کی مسجد میں سیکڑوں لوگ معتکف تھے۔ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے۔ بڑا روحانی ماحول تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دینی اعتبار سے ایک نیا شہر آباد ہو گیا ہے۔ مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی میں اللہ نے ایسی کشش رکھی تھی کہ لوگ کھنچے چلے آتے تھے اور رمضان کی مبارک ساعتیں وہیں گزارنا چاہتے تھے۔ حضرت مولانا کی صحت اس وقت بہتر تھی اور معمولات بھی جاری تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان یہ فضا مزید مہک اٹھتی تھی، حضرت مولانا ختم خواجگان کراتے تھے اور اس کے بعد پوری مسجد ضرب لا الہ الا اللہ سے گنج اٹھتی تھی۔

افطار سے کچھ پہلے آوازیں تھم جاتی تھیں اور آنسوؤں میں بھیگی ہوئی دعاؤں کا خاموش سلسلہ شروع ہو جاتا جو مؤذن کی اذان پر ٹوٹتا تھا۔ مسجد کے صحن میں اس سرے سے اس سرے تک بچھا ہوا دسترخوان۔ مسجد سے نکل کر درمیان میں مولانا علی میاں کی شخصیت۔ اللہ والوں کا ہجوم، اندر بھی باہر بھی، ایسا روح پرور منظر۔ مسجد کے اندر سسکیاں اور ہچکیاں دعا و مناجات۔ ایک آواز سب سے الگ، ضرب لا الہ الا اللہ کی کیفیت سب سے منفرد، اپنے آپ میں ڈوبا ہوا ایک شخص اسی کیفیت کا مظہر، نہ اپنی خبر نہ دوسروں کی، ہجوم عاشقاں میں سب سے سربلند۔ ساری آواز میں خاموش تنہا اسی کی آواز گونجتی ہوئی۔ سب کے آنسو رومال میں جذب، اس کے اپنے آنسو رواں۔ سب کی نگاہیں اس کی طرف، اس کی آنکھیں رحمت خداوندی کی طلبگار، آخر تک اسی میں مصروف اور اسی کی پکار۔ پہلی مرتبہ اسی انداز میں اپنے محبوب محمود حسن حسنی کو دیکھا تھا اور دل ان کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اندازہ ہوا کہ یہ کیفیت بہ طور خاص انہیں عطا کی گئی تھی۔ انہوں نے اس کی لاج بھی رکھی، اس کی بھرپور حفاظت کا فریضہ بھی انجام دیا اور یہی کیفیت ان کی شناخت بن گئی۔ مولانا علی میاں کی بیماری کے دوران رمضان کے کچھ دن ندوہ میں گزرے تو یہاں بھی وہی معلومات اور وہی مناظر دیکھنے میں آئے، مہمان خانہ کے بغل والے کمرے میں مولانا محمود حسن حسنی کی وہی کیفیت اور ضرب کا وہی انداز پھر نمایاں ہوا اور پھر دل سینوں میں کھینچنے لگے۔ اللہ نے یہ سب کچھ عطا فرما کر کس قدر انہیں نوازا تھا اور کس طرح انہیں اپنے حصار رحمت میں رکھا تھا۔ وہ عمر بھر اسی میں قید رہے اور زندگی کا حقیقی لطف اٹھاتے رہے۔ وہ لطف زندگی جو روحانیت کے خمیر سے تیار ہوتا ہے، اس خمیر سے جو ضمیر وجود میں آتا ہے، وہ بہ ظاہر فقیر نظر آتا ہے لیکن نفس مطمئنہ سے مالا مال ہوتا ہے۔ ”اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر“ کہہ کر اقبال نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ میرے بھائی محمود حسنی نے اس کی صداقت کو سمجھ کر اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تھا۔ اچھے ہوئے، بیمار ہوئے، ہر حال میں وہ اسی صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ یہی وجہ رہی کہ پریشان ہوئے لیکن پشیمان نہیں ہوئے۔ ایمان و استقامت کی بڑی دولت لے کر اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرتا رہے گا اور آخرت میں اللہ کی رحمت کی نگہبان بھی حاصل رہے گی۔ بیماری کے آخری ایام بڑی تکلیف کے ساتھ لیکن اس حال میں بھی سراپا شکر گزار بنے ہوئے تھے۔ آخری ملاقات میں روئے بھی، رلایا بھی، لیکن نہ بیماری کا ذکر حال نہ تکلیف کا ملال۔ زبان سے یہی کہتے رہے، اللہ کا شکر ہے، اللہ قبول فرمائے، اللہ مدد فرمائے، یہ تھے محمود حسن حسنی۔ مختصر سی عمر میں کتنی منزلیں طے کر لی تھیں، یہ سب ان کا خاندانی ورثہ تھا جس وہ امین اور محافظ تھے اور اس سعادت پر مطمئن اور خوش رہتے تھے۔

قلبی کیفیت کے علاوہ لکھنے پڑھنے کا شوق اور خاص طور پر سوانح اور تذکرہ نگاری کا ذوق بھی انہیں میسّر آیا تھا۔ مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ان کے حقیقی نانا تھے، اسی نسبت خاص نے ان کے اندر اس طرح کی تحریروں کا امتیاز پیدا کیا اور ان کے قلم کو جلا ملی اور اس کا حسن ان کی فکر سے نکھرتا چلا گیا۔ مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے کا یہ علمی وقار تھا جس کو خود حضرت مولانا نے مرتبہ کمال تک پہنچایا۔ مولانا ثانی صاحب کو وہی مزاج ملا اور مولانا محمود حسن حسنی نے اپنی صلاحیتوں کو اس سلسلے میں بروئے کار لا کر اپنی بھی شناخت بنالی۔ بزرگوں سے عقیدت اور ربط و تعلق کی ایک عظیم تاریخ اس خانوادہ سے وابستہ رہی ہے۔ صدیاں گزر گئیں، یہ سلسلہ جاری ہے۔ مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی نے اس سلسلہ کو اس حد تک آگے بڑھایا کہ خود ان کی شخصیت مرکز عقیدت بن گئی اور ان کا وقار و احترام پورے عالم میں نظر آنے لگا اور خاص طور پر عالم اسلام ان کا گرویدہ ہو گیا۔ عالم اسلام کی بڑی سے بڑی علمی شخصیت آج تک حضرت مولانا کے علمی کمالات کی معترف اور مداح ہے۔

بین الاقوامی سطح پر یہ شرف و امتیاز حضرت مولانا کے حصہ میں آیا۔ مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے

☆ جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش

اپنے قلم اور اپنے مزاج سے اس کی حفاظت کی اور مولانا محمود حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذوق و شوق اور خداداد صلاحیتوں سے اس سرزمین کو سرسبز و شاداب اور سیراب کیا۔ اس بات کا واضح امکان تھا کہ ان کے قلم کا جوہر مزید نمایاں ہوگا اور ان کی فکر کے طائر کو پرواز کی نئی بلندی حاصل ہوگی۔ تصنیف و تالیف کی جو صلاحیتیں انہیں حاصل تھیں اور جو ان کا خاص مزاج اور ذوق و شوق تھا اس میں بڑے امکانات پوشیدہ تھے جو خاکے ان کے ذہن میں تھے، انہیں باہر آنے کا موقع ملتا تو کیسے علمی جواہرات وجود میں آتے، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہمیشہ ہاتھوں میں کوئی مسودہ ہوتا تھا، جہاں موقع ملا بیٹھ گئے اور لکھنا شروع کر دیا، ذہن ہمہ وقت حاضر رہتا تھا، جمع و ترتیب کا نقشہ موضوع کے اعتبار سے زبان و بیان کا انتخاب، عنوانات کی تعیین، تاریخوں کا اندراج، ان ساری چیزوں کا بڑا سلیقہ حاصل تھا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء، 'تعمیر حیات' اور دارعرفات (تکیہ) کی ذمہ داریوں میں مصروف اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہر لحہ لاحق لیکن اس طرح کہ کسی کو اس کا اندازہ نہیں۔ خاموشی سے ہر میدان میں سرگرم، یہی حال تنظیموں اور تحریکوں سے وابستگی میں تھا۔ دینی تعلیمی کونسل کے قدرداں اور اس کے لیے فکرمند رہتے تھے۔ ملک کے بڑے علمی اور دینی حلقوں میں متعارف تھے لیکن ہمیشہ خود کو چھپائے رہے۔ ظاہر اس وقت ہوئے مشیت خداوندی کے حکم سے ہمیشہ کے لیے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ چھپے تو ایسا چھپے کہ ہمیشہ کے لیے نمایاں ہو گئے لیکن بہرحال جدائی تو جدائی ہے اور اس کا غم بھی ایسا ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا۔ اللہ ان کے درجات کو بلند سے بلند تر اور ان کی دینی اور علمی خدمات کو قبول فرمائے۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۱۹/ کا

کے لوگ جانتے ہیں لیکن وہ تصوف اور روحانیت اور انساب کے دریا کے بھی شناور تھے، یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے، انہیں معلوم ہوا کہ بہار منتقل ہونے سے پہلے راقم سطور کے آباء واجداد پانی پت میں تھے اور جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی جدامجد تھے، اتنا معلوم ہونے پر انہوں نے بتا دیا کہ جلال الدین کبیرالاولیاء، شمس الدین ترک پانی پتی کے خلیفہ تھے اور شمس الدین ترک پانی پتی حضرت صابر کلیری کے خلیفہ تھے، تصوف اور اس کے سلسلوں سے ان کی غیر معمولی واقفیت میرے جیسے کم علم کے لیے حیرت انگیز تھی، مجھ سے بے تکلف تھے، میں ان سے بطور مزاح کہا کرتا تھا کہ آپ جلد کسی صورت سے خلافت حاصل کیجیے تاکہ میں آپ سے بزور طاقت اور بجبر خلافت حاصل کرلوں' یہ سن کر وہ مسکراتے تھے، اب کوئی نہیں رہا جس سے اپنی تمام نااہلیوں کے باوجود زور وزبردستی سے خلافت حاصل کی جائے، میری ذات ناستودہ صفات اور مقام خلافت کی بات۔ ''اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے''۔

اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا انسان وہ ہوتا ہے جو ملنے والوں سے ان کے ذوق اور مزاج اور ان کی وابستگیوں اور دلچسپیوں کی رعایت کے ساتھ بات کرے، ایک بار ایسا ہوا کہ میں لکھنؤ آیا ہوا تھا، وہ ندوہ کے مہمان خانہ میں ہم سے ملے اور پھر انہوں نے مولانا عبداللہ عباس ندوی کی بے شمار تحریریں جو 'تعمیر حیات' اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئی تھیں' میرے سامنے پیش کردیں اور یہ کہا کہ اس پر مقدمہ لکھ دیجیے تو پھر اسے شائع کرنے کی کوشش کی جائے، میں ان دنوں حیدرآباد میں مقیم تھا، میں مضامین کے اس پلندے کو حیدرآباد لے گیا پھر کچھ عرصہ کے بعد بیمار ہوا، پھر دہلی منتقل ہو گیا، اب یاد بھی نہیں رہا کہ میں نے مقدمہ لکھا یا نہیں لکھا، مسودہ واپس کیا یا نہیں، اور اب وہ مسودہ کس کے پاس ہے، اب اپنی لکھی ہوئی اور پڑھی ہوئی چیزیں یاد نہیں رہتیں، لوگوں کے نام یاد نہیں رہتے، یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لائق تو صرف ایک ہی ذات ہے۔

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

اور اکبرالہ آبادی کا یہ شعر بھی خوب ہے:

وقت طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا
اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

اگست ۲۰۲۲ء کا آخری ہفتہ تھا اور ۲۴/ تاریخ تھی، ہمارا دہلی سے لکھنؤ صبح سویرے پہونچنا ہوا اور اسی دن رائے بریلی چلا گیا، آسمان سوگوار تھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، جیسے چشم نم سے آنسوؤں کے قطرے گرتے ہیں، عصر اور مغرب کے درمیان ایک مہربان کی رہنمائی میں مولانا محمود حسن حسنی ندوی کے مرقد پر حاضر ہوا، ایک خاک کا ڈھیر تھا جس کے نیچے ایک ستودہ صفات ایک جامع حسنات ایک صاحب تصنیفات ہستی عالم برزخ میں جنت کی عطر بیز ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور آرام فرما تھی، یہی خاک کا ڈھیر ہر شخص کی منزل ہے، فقیر ہو یا غنی، شاہ ہو یا گدا، سب کو یہاں تک آنا ہے اور اس کے بعد اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے، فاتحہ پڑھی ایصال ثواب کیا، چند قدم کے فاصلہ پر مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمہ اور ان کے خاندان کی قبریں ہیں، مولانا علی میاں ندویؒ جن کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆☆

نورانی جلووں کی تابانی

مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی

عزیز مکرم مولانا محمود حسن حسنی کی وفات کی خبر آئی تو زندگی اور موت کے فلسفہ نے ایک بار پھر دل اور سوچ کی دنیا میں بے چینی پیدا کردی۔ عقیدہ، یقین، ایمان سب برحق۔ اللہ کے ہیں تو نہ زندگی اپنی نہ موت ہی پر اپنا بس۔ اس لیے عقل تو یہی بہانہ سجھاتی ہے کہ جب حیات جاوداں کا وعدہ نہیں اور مرگ ناگہاں کی خبر نہیں تو غم کا ہے کا، لیکن دل کو کون سمجھائے جو سب کچھ جاننے سننے کے بعد ویران آنکھوں سے سوال کر بیٹھتا ہے کہ معاملہ یہی ہے تو پھر یہاں دنیا میں رہنے کا مزہ کیا ہے۔ مزہ تو دور کی بات ہے جواز ہی کیا ہے؟ بے چینی سے اٹھنے والے سوالوں کے بارے میں شاید اسی لیے کہا گیا کہ جاننا اتنا ضروری نہیں، بعض سوالات بغیر جواب ہی کے سب کچھ کہہ جاتے ہیں۔ وفات کی خبر ملی تو ''معارف'' کے شذرات میں چند لفظوں میں جذبات، صفحات پر منتشر ہوگئے، لکھا گیا کہ:

''یہ خبر ایک عالم کو افسردہ کرگئی کہ جواں سال مصنف، تذکرہ نگار اور صاحب تصانیف کثیرہ مولانا محمود حسن حسنی ندوی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! لیاقت، صلاحیت، شرافت اور مروت کی خوبیاں کس طرح ایک وجود کو مثالی جوہر بنا دیتی ہیں، مرحوم اس کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کے قلم سے مولانا زبیر الحسن کاندھلوی، شاہ ابرار الحق، مولانا سید محمد ثانی حسنی، مولانا محمد یونس جونپوری، مولانا حسین احمد مدنی، شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ رحمہم اللہ نامور ہستیوں پر کتابیں نکلیں۔ ان میں اکثر کا تذکرہ معارف میں آیا بھی ہے۔ ان کی وفات ندوہ اور خانوادہ علم اللّٰہی ہی کا نقصان نہیں علم و عرفان کے خدا جانے کتنے جام و پیمانے ان کو یاد کرکے مدتوں رویا کریں گے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ''۔

ان جملوں کی تشریح کی ضرورت ہے، لیکن اس کے لیے ہمت بھی تو ہونی چاہیے۔ ہمارے لیے تو ان کا سر اور ان کا شانہ اس چھوٹے بچے کا تھا جس پر صرف شفقت کا ہاتھ رکھا جاتا ہے، وہ چھوٹے تھے مگر ان چھوٹوں کی طرح نہیں تھے جو سہاروں اور بیساکھیوں سے کھیلتے ہوئے اپنے قد کی درازی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ میرے عزیز ترین اور بچپن کے دوست ڈاکٹر سید احمد حسنی کے بھتیجے تھے۔ احمد مرحوم کا انتقال ہوا تو چاہنے کے باوجود کچھ بھی لکھنے کی ہمت نہیں ہو پائی۔ قریب نصف صدی کے سلسلہ روز و شب کا ایک مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کیا یاد رہا کیا بھول گئے کی کشمکش کا شکار بن جاتا ہے۔ ہم مسلسل سال میں کم از کم ایک دو دن صحبتے با اہل دل والی لذتوں سے ہمکنار ہو جاتے تھے۔ ضیاء عبداللہ، سید نفیس احمد، عبدالعزیز بھٹکلی تو ہمراز و ہم نفس تھے ہی، بھائی حمزہ صاحب بھی اس مجلس میں کچھ ساعتوں کے لیے شریک ہو جاتے۔ باتوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے میں احمد یہ بات ضرور دہراتے کہ عمیر نہ ہوتا تو میں ندوی نہ ہوتا۔ اس جملے کی جو تفصیل احمد بیان کرتے وہ تو ہمارے حافظہ کے صفحہ سے یکسر غائب تھی مگر دل کے کاغذ پر احمد کی محبت کے نقوش ضرور جگمگانے لگتے۔

احمد کا یہ ذکر یوں بے محل نہیں کہ مولوی محمود ان کے بھتیجے اور احمد کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہم سے بھی چچا بھتیجے کے رشتے کا اعلان کرتے۔ وہ جب اپنی نئی کتاب عطا کرتے تو ضرور کہتے کہ چچا میاں اس پر تبصرہ ضرور کریے گا۔ سیرت داعی اسلام مولانا سید عبداللہ حسنی، اس نام سے ان کی کتاب چھپی تو وہ جو کہتے تھے اس کو لکھ بھی دیا۔ مخدومی حضرت کے الفاظ جہاں ہماری حیثیت کے لحاظ سے بہت زیادہ بھاری تھے، وہیں ''العم المحترم'' کے الفاظ ہماری قسمت کی خوبی کا اشارہ بھی بن گئے۔ وہ چھوٹے تھے بہت چھوٹے، لیکن صرف عمر میں، ورنہ وہ اپنے علم اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے عمل سے بہت آگے۔ بہت بلند اور نمایاں ترین مقام پر فائز تھے۔ قلم بھی یہی لکھنا چاہتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے دم سے علم و فضل کی بستیاں آباد ہو جاتی ہیں۔ ایک طرح دار ادیب اور مفکر نے لکھا تھا کہ جس آبادی میں اہل احسان نہ ہوں اسے خانہ جنگی اور خانہ بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جس تمدن کو اہل کمال کی خدمات حاصل نہ ہوں وہ خوش نما اور دیرپا نہیں ہوتا۔

غور سے دیکھا جائے تو محمود میاں اپنی کمسنی کے باوجود ایسے ہی احسان اور کمال والوں کے زمرہ میں تھے۔ ہم اور کئی دوسرے ان کی کم عمری

☆ رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ

کی بات کرتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں چھوٹوں کا خیال رکھنے کا غلبہ ہو، لیکن زمانہ اور عمر میں آگے پیچھے کا پیمانہ کوئی حتمی میزان نہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے سید احمد شہیدؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ زمانہ کے لحاظ سے پیچھے تھے، لیکن مرتبے کے لحاظ سے بہت آگے۔ عجب معاملہ ہے خانوادۂ حسنی میں صرف سید احمد شہید ہی نہیں بیسیوں اصحاب کمال کے نام گنائے جاسکتے ہیں جو عمر مستعار کے لحاظ سے کم ہیں، لیکن ان کی عظمت ماوراء زمان ومکان رہی۔

خانوادوں اور خاندانوں اور حسب ونسب کے حوالوں سے کارناموں اور کارنامے والوں کا جائزہ لینا زیادہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ خاندان سے اگر نیک نامی ہے تو یہ اللہ کا کرم ہے ورنہ دوسرا رخ اگر ایسا نہیں تو انتساب کے لہجے میں لکنت در آتی ہے۔ اصل پیمانہ تو یہ ہے کہ زندگی کا مقصد اور خود کی قوتوں کا مصرف کیا ٹھہرایا گیا؟ جس انسانی وجود یا جس انسانی گوشت پوست کے درون سے اس کا جواب مثبت انداز میں ملے، فیصلہ اسی کے لحاظ سے کرنا چاہیے۔

ہم نے مولوی محمود کو ہمیشہ خاموش پایا اور زیادہ تر تنہا تنہا، کسی گوشہ میں صرف کتابوں کی دست گیری کرتے ہوئے، جو عمر چمکنے اور چمکانے کی ہوتی ہے، اس عمر میں نگاہیں اگر خلانورد ہوجائیں تو کوئی بھی ہو حیرت سے دوچار ہوسکتا ہے۔

حیرت تو ان کی کتابوں کے ناموں اور ان کے موضوعات ومواد سے بھی ہوتی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف وتالیف کا یہ انداز محض مطلق علم کی اشاعت یا اس کے پردے میں اپنی شخصیت کی تشہیر نہیں، بلکہ موضوع، مواد اور مصنف کی فکر سب ایک ہی رنگ میں کسی اور مقصد تصنیف کی خبر دیتے ہیں۔

بزرگوں کے تذکروں کو نئے زمانہ کے دانشور اہل قلم کی توجہات نہ ملنے کا شکوہ ہونا چاہیے مگر ایسا نہیں ہوا۔ براہ راست علوم سے استفادہ بظاہر بہت معقول بات ہے، لیکن ہر علم، ہر فکر، ہر نظریہ کو اپنی قبولیت کے لیے عملی نمونے کی ضرورت ایک عقلی تقاضا ہے۔ مولوی محمود کو یہ نکتہ اپنے گھر ہی میں مل گیا۔ نزہۃ الخواطر کی بابرکت جلوہ گری کہیں یا سیرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلے کی ثمر باری کہیں کہ محمود میاں نے اصلاح و ارشاد کی نمایاں شخصیتوں کی خدمات کے مطالعہ کو اپنا مرکزی موضوع بنا دیا اور ان بزرگوں کو گذشتہ زمانوں کی شخصیات سے یوں ممتاز کر دیا کہ یہ کرامتوں اور خلوتوں کی نجی کیفیتوں کا ذکر نہیں، یہ انسانوں کے انسانوں سے رشتوں اور ان کی افادیت اور انجام کار سرخرو ہونے کی کلید ہیں۔ ان کتابوں کے ابواب کے عنوان دیکھتے جایئے تو حیات و خدمات سے کہیں زیادہ علمی کمالات، اوصاف وخصوصیات، افکار ونظریات اور تعلیم و ارشاد سے بحث ہے۔ ایک اچھے انسان کی شکل میں ان کو دیکھے جانے کی چاہت اور ان کی اچھائیوں کو دکھائے جانے کی ضرورت، یہ طرز دانستہ اپنایا گیا ہے۔ ان شخصیات سے محبت کیوں؟ سارا زور اسی کے جواب کے لیے وقف، اچھوں اور اچھائیوں سے قریب کرنے کی تمناؤں کا عجیب معصومانہ انداز۔ وہ انداز جو صرف خوبیوں کو عام کرنے اور فائدہ میں دوسروں کے شریک کرنے کا ہے، اگر یہ راز سمجھ میں آجائے تو محمود میاں ہی کیا، ہر لکھنے والے کے دل و دماغ میں جھانکنے کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اور کتابوں کو چھوڑیے، انہوں نے اپنی نانی محترمہ کے حالات میں کتاب عائشہ بی مرتب کر دی۔ عائشہ بی محترمہ کو ایک دنیا امۃ اللہ تسنیم اور ان کے رسالہ ''رضوان'' کے ذریعہ جانتی ہے۔ بعض گھروں میں تو گھر کی نانی دادی کا ذکر آتا نہ نام لیا جاتا، ان سے زیادہ ذکر محترمہ خیر النساء بہتر اور محترمہ امۃ اللہ تسنیم کا ہوتا۔ محمود میاں کو اپنی والدہ اور خاندان کی دوسری خواتین اور کچھ مضامین کے ذریعہ جو معلوم ہوا، اس کو جس سلیقہ سے پیش کیا، اس کو مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ نے اچھی صلاحیت کے ثبوت کے طور پر دیکھا۔ ہم جیسے کم علموں کے لیے تو اس کتاب کی ادبی شان بھی بڑی دلکشی رکھتی ہے۔ عمدہ اردو بلکہ وہ اردو جو لکھنؤ اور اس کے اطراف کی پہچان ہے۔ اس کا مذہبی تذکروں میں اس خوبی سے استعمال عجیب کچھ لطف دیتا جاتا ہے۔

اس کتاب کے برسوں بعد شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری پر ان کی ضخیم کتاب آئی۔ دوران تصنیف ایک ملاقات میں انہوں نے کہا: معارف میں شیخ کے متعلق نہیں لکھا گیا۔ لکھ دیا جاتا تو اپنی کتاب میں اس کو نقل کرنے کی مسرت حاصل کرتا۔ بلند پروازی کے بعد یہ خاکسارانہ انداز ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے لیے دل کے در و دیوار کو کوثر و تسنیم سے مصفی کرنا اور اخلاص ومحبت کی قندیلوں کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ مولوی محمود کے دل کی طہارت اور اندرون میں نورانی جلووں کی تابانی تھی، جس

نے ان کو بڑوں چھوٹوں سب کے دلوں میں جگہ بنانے کا ہنر عطا کر دیا تھا۔

تذکرہ نگاری، سچ یہ ہے کہ کھوئے ہوؤں کی جستجو کا ایک اشاریہ ہے، آتش رفتہ ہو یا دل کی دنیا کی شکست و ریخت ہو، دل بہلتا ہے تو ان ہی یادوں کے رنگوں اور خوشبوؤں سے۔ مولوی محمود کے دل میں کیا آگ تھی کہ انفرادی تذکروں سے جی نہ بھرا تو انہوں نے اصلاح و تربیت جو تذکرہ نگاری کا واحد مقصد ہے اسی کی تاریخ مرتب کرنے کی ٹھان لی۔ پہلی جلد چھ سو چھپن صفحوں پر چھپوادی۔ دوسرے حصے معلوم نہیں شائع ہوئے یا نہیں۔ لیکن یہ جلد اول کہیں سے کم نہیں، تشنہ نہیں، محسن انسانیتؐ سے شہید کربلا تک ان پر اسرار بندوں کی زندگی جن کی ٹھوکروں سے دریا و صحرا کو دو نیم ہونے میں تاخیر نہ ہوتی۔ پہاڑ ان کے سامنے سمٹ کر رائی بن جاتے۔ ان کی زندگیوں سے آشنائی کی لذت کا اصل لطف لینے کے لیے یہ کتاب ایک پاکیزہ نعمت بن گئی۔ لگتا ہے علامہ شبلی کی طرح ہمارے محمود میاں کو اپنی زندگی کی مدت کا اندازہ تھا۔ اس لیے ایک بے قراری تھی کہ جو پڑھا، جو سمجھا، جو دل کو لگی اور دل پر گزری، سب کو جلد سے جلد سرمایہ کی گٹھری بنا کر پیش کر دیا جائے کہ یہی تو وہ سرمایہ ہے جس سے دل مطمئن ہوتا ہے کہ کچھ تو کر چلے۔

محمود میاں رحمۃ اللہ علیہ یقیناً مقام محمود پر نظر آئیں گے اور سرخرو ہوں گے، اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی، کیوں کہ وہ دو لفظوں میں صاف و شفاف تھے :

تیرا آئینہ تھا آزاد غبارِ آرزو

☆☆☆☆☆

ایک منفرد اور ممتاز شخصیت

ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خان ندوی ☆

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی غفر اللہ لہٗ 'تعمیر حیات' کے سب ایڈیٹر، دار عرفات کے نائب مدیر، ایک اچھے سوانح نگار، بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے اور حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کے بہت قریب تھے، مولانا کی گفتگو بھی سننے کا کئی بار ملتقی کی زوم کی میٹنگوں میں شرف حاصل رہا، گفتگو میں اثر اور درد ہوتا تھا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ میں مارچ ۲۰۲۲ء میں حاضری ہوئی تھی اور مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نظر نہیں آرہے تھے، تو معلوم کرنے پر کسی نے بتایا کہ مولانا بیمار ہیں، لیکن کوئی ایسی فکر کی بات نہیں ہے، ان شاء اللہ جلد ہی صحت یاب ہو کر تشریف لے آئیں گے، اس کے کئی مہینوں کے بعد معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ ناسازہ ہے، شوگر اور گردوں کے کام نہ کرنے کی شکایت ہے، دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمود صاحب کو شفائے کامل وعاجل عطا فرمائے اور جب ملتقی سے معلوم ہوا کہ طبیعت بہت ناساز ہے اور وینٹی لیٹر پر ہیں، دعا کے ساتھ یہ تحریر کیا تھا کہ مولانا کے قریب اگر کوئی ہو تو میری بات ضرور کرا دیں، لیکن بات نہیں ہو سکی اور مولانا محمود حسن حسنی ندوی ایک طویل علالت کے بعد بروز جمعہ مبارک ۱۲ر اگست ۲۰۲۲ء کو اس دنیا سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی غفر اللہ لہ کی وفات یقیناً ندوۃ العلماء اور ندوی حضرات کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے، جب بھی ندوۃ العلماء لکھنؤ حاضری ہوتی تو مولانا سید محمود صاحب ندوی سے ملاقات ہوتی اور جس وقت مجلس انتظامیہ کے مہمانوں کا جلسہ مہمان خانہ کے سامنے ہوتا تو مولانا بہت آگے آگے ہوتے اور مہمانوں کی خدمت اور گفتگو میں مشغول رہتے، مولانا بڑی صفات حسنہ کے مالک تھے۔

واٹس ایپ سے معلوم ہوا تھا کہ مولانا کی نماز جنازہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوگی اور دوسری نماز جنازہ تکیہ پر ہوگی، کسی نے مولانا کے جنازہ کا منظر بھی واٹس ایپ پر ڈالا تھا، صالح و نیک لوگوں کا نماز جنازہ اور تدفین میں کثرت سے شریک ہونا مولانا کی عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کو نفوس مطمئنہ میں شامل فرما: "یا أیتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"۔

دعا ہے کہ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی غفر اللہ لہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما، ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا دے، ان کے تمام نیک اعمال کو قبول فرما، ان کی لغزشوں کو معاف فرما، ان کے تمام رشتہ داروں اور تعلق والوں اور خاص طور سے محترم و مکرم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء کو صبر جمیل عطا فرما، ندوۃ العلماء کو نعم البدل عطا فرما۔ آمین!

☆☆☆☆☆

☆ ٹوکیو، جاپان

پیکر علم وعمل اور صدق وصفا

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی ☆

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

برادر مکرم مولانا سید محمود حسن حسنی سے چند روز پہلے فون پر گفتگو ہوئی، بات زیادہ تر علمی و تصنیفی امور سے متعلق تھی، صحت کے بارے میں سوال کیا تو دعا کے لیے کہا، اس طرح کی بیماری اور مصیبت وتکلیف میں بڑے بڑوں کا حوصلہ جواب دے جاتا ہے، مگر ان کا حوصلہ لائق داد تھا اور صبر وتحمل قابل رشک، کوئی شکایت نہیں، اظہار کرب نہیں اور مایوسی کا کلمہ نہیں، بلکہ ایک متشکر شریف انسان کا رکھ رکھاؤ، اس حالت میں بھی بات خالص علمی کرتے، بات کیا ہوتی ''وہ کہیں اور سنا کرے کوئی'' کا مصداق ہوتی:

با ایں ہمہ ضعف و ناتوانی
دانی چہ کارہا نہ کردیم

دو تین روز پہلے عزیز گرامی سید خلیل حسنی کا پیغام آیا کہ محمود بھائی کے لیے حرم شریف میں دعا کروں، پرسوں برادر معظم مولانا سید جعفر مسعود حسنی کو فون کیا، وہ اس وقت اسپتال میں محمود بھائی کے پاس تھے، کہنے لگے: آپ نے بہت مناسب وقت پر فون کیا اور اس کے بعد محمود بھائی کی بیماری پر تشویش ظاہر کی، وہیں ان کے بھائی مولانا مسعود حسنی تھے، ان سے بھی بات ہوئی، میں نے عرض کیا کہ جب محمود بھائی کی حالت کچھ بہتر ہو تو میرا اسلام عرض کردیں، اس یاددہانی کے بعد میں نے ان کی صحت کے لیے دعا کا اہتمام کیا اور ہم دعا کے سوا کیا کرسکتے تھے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ برحق ہے، قضا آئی اور بروز جمعہ ۱۴ر محرم ۱۴۴۴ھ صبح کے وقت انتقال کی خبر ملی، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

مولانا مرحوم حسنی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، ان کی والدہ سیدہ امامہ حسنی رحمۃ اللہ علیہا استاد محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں، محمود بھائی کی پیدائش ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۲ر جولائی ۱۹۷۱ء کو ہوئی، انہوں نے اپنے گھر کے علمی، صالح اور پاکیزہ ماحول میں نشو ونما پائی، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر ندوہ سے ۱۹۹۰ء میں عالمیت اور ۱۹۹۲ء میں فضیلت کی اور المعہد العالی للدعوۃ و الفکر الاسلامی کا ایک سالہ کورس مکمل کیا۔

فراغت کے بعد سے علم کو اوڑھنا بچھونا بنالیا، مدرسہ ضیاء العلوم میں مدرسی کی، دار عرفات رائے بریلی کے شعبۂ تحقیق وتصنیف سے منسلک ہوئے، یوں اپنی صلاحیت کی پختگی اور علمی ترقی کا اہتمام کیا اور طلبہ کے افادہ کا بازار گرم رکھا۔

ایک عرصہ سے ندوہ کے پندرہ روزہ 'تعمیر حیات' کے نائب مدیر تھے، ماہنامہ 'رضوان' اور 'پیام عرفات' کی مجلس ادارت کی رکنیت سنبھالی، علمی حلقوں میں ان کی شہرت ایک سنجیدہ محقق اور متین وشائستہ فکر کے حامل مصنف کی حیثیت سے ہوئی، میں نے ان کی کئی تصنیفات پڑھی ہیں اور ان سے حسنی خاندان کی تاریخ ونسب کے متعلق استفادہ بھی کیا ہے، اس خاندان کی تاریخ پر اس وقت شاید ان کو ملکہ تامہ حاصل تھا، ایک مرتبہ استاد محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے آباء واجداد کے متعلق کچھ معلومات چاہی تو فرمایا کہ محمود سے رابطہ کرو، اس موضوع پر سب سے اچھی نظر ان کی ہے، اس بہانہ ان سے رابطہ استوار ہوگیا اور اکثر فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔

ان سے میرے تعلق کا آغاز ان کی طالب علمی کے زمانہ سے رہا ہے، وہ ہمیشہ محبت اور عقیدت سے ملتے، کراچی کی مجلس نشریات اسلام کے ناظم مولانا فضل ربی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء میں میری کتاب ''ندوہ کا ایک دن'' چھاپنی چاہی تو اس وقت محمود بھائی وہیں مقیم تھے، چنانچہ مولانا فضل ربی صاحب نے ان سے بھی مقدمہ لکھوایا، اس مقدمہ میں انہوں نے میرے ساتھ گہرے تعلق کا اظہار کیا، یہاں ایک مختصر اقتباس پیش ہے، محمود بھائی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

''کتاب دلچسپ ہے، مؤثر ہے، معلومات افزا ہے اور ایسے طالب علم کی طرف سے ہے جو اپنی علمی اور تصنیفی خدمات کی بنا پر علمی حلقوں میں ایک اونچا مقام پیدا کرچکے ہیں اور ایک تاریخی کارنامہ بھی انجام دے رہے ہیں کہ وہ ان خواتین اسلام کے حالات وکارناموں کو مرتب کررہے ہیں جن کی علمی خدمات رہی ہیں اور

☆ آکسفورڈ، برطانیہ

انہیں دینی مقام بھی حاصل رہا ہے، یہ کام ان کا تقریباً چالیس جلدوں میں عربی میں سامنے آرہا ہے، اگر ایسا ہوجاتا ہے تو پھر وہ ذہبی وقت کہے جائیں گے''۔

محمود بھائی نے سوانح نگاری کی ایسی مشق بہم پہنچائی تھی کہ اس صنف کے صاحب طرز مصنّفین میں ان کا شمار ہونے لگا تھا، ان کی چند کتابوں کے نام ہیں: ''تاریخ اصلاح وتربیت''، ''سیرت داعیٔ اسلام حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ''، ''تذکرہ مولانا زبیر الحسن''، ''فرشتہ صفت انسان: سوانح فلسفی اسلام مولانا عبد الباری ندوی''، ''حیات شاہ ابرار الحق'' وغیرہ، انہوں نے ''تذکرہ مولانا محمد یونس جون پوریؒ'' لکھی تو طباعت سے پہلے پوری کتاب مجھے پڑھنے کے لیے دی اور میں نے ان کی طلب پر کچھ مشورے دیے جن پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور کتاب کی اشاعت سے پہلے ان کی روشنی میں کچھ اصلاحات کیں۔

ان کی ایک کتاب ہے ''تذکرہ مولانا عبد الباری ندوی بھٹکلی'' جو انہوں نے مجھے تحفۃً دی، مولانا عبد الباری ندوہ میں میرے درجہ کے ساتھی تھے، انہوں نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی جس طرح خدمت کی اور بھٹکل میں جس طرح اصلاح ودعوت کا کام کیا اس کی نظیر نہیں، مولانا کی زندگی کی جو تفصیلات آئی ہیں وہ قابل رشک ہیں، پاک دل، پاک ذات وپاک صفات، محمود بھائی نے ان کی سوانح لکھ کر علم وانسانیت کی ایک بڑی خدمت انجام دی۔

مرحوم متواضع، کریم النفس اور با اخلاق انسان تھے، جب بھی لکھنؤ یا رائے بریلی میں ملاقات ہوتی، بڑے تپاک سے ملتے، چہرہ خوشی سے کھل جاتا اور پورے جسم سے تروتازگی کے آثار ہویدا ہوتے، میری علمی سرگرمیوں کے متعلق استفسار کرتے اور اپنی تصنیفات وتحقیقات کا ذکر کرتے، کتابیں ہدیہ کرتے، طبیعت ان کی طرف مائل ہوتی اور ان سے مل کر بہت خوشی ہوتی، مجھ سے ان کا تعلق خالص علمی تھا، ورنہ آج کی دنیا میں خلوص اور علمی رشتہ کو کون پوچھتا ہے؟

سود وزیاں کو نظر میں رکھ کر کرتے ہیں یارانے لوگ

محمود بھائی کو تصوف سے مناسبت تھی اور اس کے اثرات کبھی کبھی ان کی تحریروں اور مکالمات سے عیاں ہوتے، گرچہ وہ اس کی کوشش کرتے کہ یہ اسرار نا اہلوں سے پوشیدہ رہیں، یعنی ''حدیث دل با اہل دل گو'' کی حکمت زریں پر عمل پیرا ہوتے، انہوں نے اپنے خاندان کی شریفانہ روایت کی پاس داری کی، دوسروں کو نفع پہنچاتے اور کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچاتے، جب کہ دوسروں کو اذیت دینا فرومایگان زمانہ کا عام شعار ہے، جو برائیاں عقاب کی آنکھ سے چنتے ہیں اور صبا کی رفتار سے پکڑتے ہیں، مگر مرحوم زمانہ کی اس روش سے مختلف تھے، اسی لیے ان کی دوستی اور تعلق کو ہم وجہ سعادت اور باعث فخر سمجھتے تھے۔

ان کا یہ سانحہ کم عمری میں پیش آیا ہے، استاد محترم حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کے لیے اس طرح کے حادثات کا پیہم آنا بڑا صبر آزما ہے، یہ آپ کی ایمانی قوت کی دلیل ہے، ہم برادر معظم مولانا سید جعفر مسعود حسنی، مرحوم کے بھائی مولانا مسعود حسن حسنی، مولانا منصور حسن حسنی اور دیگر اہل خانہ کو صدق دل سے تعزیت پیش کرتے ہیں، مرحوم کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا کرتے ہیں اور اپنے اس درد کا اظہار کرتے ہیں کہ کس طرح اصحاب فکر وقلم یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جارہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔

☆☆☆☆☆

مجلس صحافت ونشریات کی جدید ودیدہ زیب طباعت

فتاویٰ ندوۃ العلماء (جلد چہارم)

مکمل صفحات: ۴۱۶ قیمت: ۴۰۰/روپے

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

موبائل نمبر: 9889664104, 9415515578

ای میل: ahmadniyaz7893@gmail.com

یقین وعمل اور خدمت دین کا نمونہ

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی ☆

ایک طویل علالت کے بعد بالآخر مولانا محمود حسن حسنی ندوی بھی ہم سے رخصت ہوگئے، کل تک ہم ان سے بات کرتے تھے، آج ہم ان کی باتیں کریں گے، ان کی خوبیوں اور نیکیوں کی بات کریں گے، وہ خوبیاں اور نیکیاں جو مادیت کے اس دور میں اب کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں اور اگر ملتی بھی ہیں تو صرف ان حضرات کے یہاں جو دین کے پابند، شریعت کے تابع اور صرف اور صرف رضائے الٰہی کے طلبگار ہوتے ہیں، جو دنیا میں رہتے ہیں ایک مسافر کی طرح، زندگی گذارتے ہیں ایک زاہد کی طرح، جو لینے پر نہیں، دینے پر یقین رکھتے ہیں، اپنی فکر کم دوسرے کی فکر زیادہ رکھتے ہیں، اپنا شوق نہیں صرف اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، جن کی نظر منزل پر ہوتی ہے اور منزل کی راہ میں حائل روڑوں کو جن کو مادہ پرست نگاہیں ہیرے جواہرات سمجھ کر چکا چوند ہونے لگتی ہیں، ان روڑوں کو ٹھوکر مار کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں، ہمارے محمود حسن حسنی ندوی مرحوم بھی انہی مبارک اور کامیاب ہستیوں میں سے ایک تھے۔

وہ عمر میں تقریباً مجھ سے دس سال چھوٹے تھے؛ لیکن علم اور عمل میں وہ مجھ سے کئی سال بڑے تھے، ان کا کمال تھا کہ رشتہ اور عمر کے اس فرق کا ہمیشہ انہوں نے لحاظ رکھا اور وہ ادب برابر ملحوظ رکھا جو ایک بھانجہ اپنے ماموں کے ساتھ رکھتا ہے، میں تو پھر بھی ان سے دس سال بڑا تھا، مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی تو عمر میں ان سے صرف دو ڈھائی سال ہی بڑے تھے، درجہ کا فرق بھی ایک ہی دو سال کا رہا ہوگا، ہر کام میں شریک، ہم خیال اور ایک دوسرے کے معاون، لیکن چونکہ بلال رشتہ میں بڑے تھے، ماموں لگتے تھے چنانچہ محمود مرحوم اس رشتہ سے ان کا پورا ادب کرتے تھے، احترام کرتے تھے، اور پوری اہمیت دیتے تھے۔

مرحوم محمود حسنی عقائد میں، عبادات میں، اخلاق میں، معاملات میں، سخاوت وفیاضی میں، مہمان نوازی میں، صلہ رحمی میں، پڑوسیوں کا خیال رکھنے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ہم سب کے لیے ایک نمونہ ہیں، وہ جو تھے وہی نظر آتے تھے اور جو نظر آتے تھے وہی تھے، نہ ان کے چہرہ پر تقوی کا کوئی نقاب تھا اور نہ ان کے جسم پر تصوف کا کوئی لبادہ، تقوی ان کے اندر تھا اور حقیقی تصوف جس نے ان کو احسان کے مرتبہ تک پہنچا دیا تھا، ان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا، ظاہر وباطن کی ایسی یکسانیت جو صرف اللہ والوں کے یہاں ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

مرحوم کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ مہمان کسی کا ہو، ملنے کسی اور سے آیا ہو، اس کی خاطر داری وہ ایسی کرتے کہ جیسے وہ انہی کا مہمان ہے اور صرف انہی سے ملنے کے لیے آیا ہے، رشتہ دار کے ساتھ معاملہ ایسا کرتے کہ لگتا کہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ اس کا انہی سے ہے، وقت بھی دیتے، تواضع بھی کرتے، رشتہ کی نوعیت بھی بتاتے اور دوسرے رشتہ داروں کا تعارف بھی کراتے۔

انہوں نے اپنے ددھیال اور ننہیال دونوں کی خوبیاں پائی تھیں، ان کے اندر تواضع بھی تھی، انکساری بھی تھی اور بے نفسی بھی، ایمانی حمیت بھی تھی، عقیدہ کی پختگی بھی تھی، شرک وبدعت سے نفرت بھی تھی اور حق کے معاملہ میں بے لچک رویہ بھی، ان کو اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ ہوتے نہیں دیکھا گیا، ہاں اگر دین وشریعت کے خلاف کوئی بات ہوتی، یا جمہور اہل سنت والجماعت کے موقف سے ہٹ کر کوئی موقف پیش کیا جاتا، یا کسی نیک بندہ پر کوئی غلط تبصرہ ہوتا یا کسی بزرگ شخصیت کے ساتھ بے ادبی کا کوئی معاملہ ہوتا تو پھر ان کا طیش میں آنا طے تھا اور سخت لہجہ میں نکیر کرتے تھے یا تو اپنی بات منوا لیتے یا اس مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے کیوں کہ وہ جانتے تھے اور صرف جانتے ہی نہیں، تاریخ کی کتابوں میں محفوظ وہ واقعات ان کی نظروں کے سامنے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اللہ کے نیک بندوں کے سلسلہ میں کی گئی بے بنیاد باتوں کے نقصانات پہنچ کر رہتے ہیں۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنی والدہ کے حکم پر اپنے کو اپنے نانا مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ کے دونوں بھائیوں مولانا محمد رابع حسنی ندوی (دامت برکاتہم) اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوری طرح طرح حوالہ کر دیا تھا، انہی کے ساتھ قیام، انہی کے ساتھ سفر، انہی کے علمی کاموں میں معاونت، انہی کے ساتھ کانفرنسوں اور سمیناروں میں شرکت، انہی کے ساتھ معروف ومشہور علمی شخصیات سے ملاقاتیں اور اپنے علمی وتصنیفی کاموں میں انہی دونوں حضرات سے رائے اور مشورہ اور پھر انہی کی رائے اور انہی کے مشورہ پر عمل، یہ وہ چیز تھی جس نے ان کی شخصیت کو سنوارنے اور ان کی افادیت کے دائرہ کو وسیع کرنے کا کام کیا اور ان دونوں حضرات کے ساتھ اسفار کا ایک فائدہ ان کو یہ

☆ ایڈیٹر عربی جریدہ 'الرائد'، ندوۃ العلماء لکھنؤ

بھی ہوا کہ وہ تقریر کے میدان میں بھی آ گئے، وہ مجلسوں میں تو بولتے تھے اور پوری قوت سے بولتے تھے؛ لیکن اسٹیج سے دور رہتے تھے، لیکن اسفار میں یہ ہوتا تھا کہ بعض جلسوں میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی جگہ ان کو تقریر کرنی پڑ جاتی تھی، کیوں کہ ہر جلسہ میں مولانا جا نہیں سکتے تھے، لہٰذا وہ محمود مرحوم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیتے تھے، اس طرح محمود مرحوم دھیرے دھیرے مقرر بھی بن گئے۔

محمود مرحوم کے بارے میں یہ بات تقریباً یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ جو کام کرتے تھے، اللہ کے لیے کرتے تھے، قریب ہوتے تو اللہ کے لیے، دور ہوتے تو اللہ کے لیے، ناطہ توڑتے تو اللہ کے لیے، ناطہ جوڑتے تو اللہ کے لیے، اپنی کوئی مصلحت، اپنا کوئی مفاد، اپنی کوئی غرض اور اپنی کوئی ضرورت ان کے پیش نظر نہیں ہوتی تھی، سات قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اس دن عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن سوائے عرش کے سایہ کے کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، محمود مرحوم میں ایسی کئی چیزیں پائی جاتی تھیں، یقین ہے کہ ان سات قسم کے لوگوں میں ان کا بھی شمار ہوگا۔

سیاست اور سیاسی لوگوں سے محمود مرحوم کو ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، نہ انہیں ان کو دیکھنے کا کوئی شوق تھا اور نہ ان سے ملنے کی ان کو کوئی خواہش، ندوہ کے مہمان خانہ میں جب اس طرح کے سیاسی لیڈروں کی آمد ہوتی تو ہر آدمی کو شوق ہوتا کہ ان کو دیکھے، ان کی باتیں سنیں اور اگر ہو سکے تو ان کے ساتھ ایک آدھ تصویر بھی کھنچوالے، لیکن اس موقع پر محمود مرحوم یا تو دوسرے کمرے میں جا کر اپنے کسی علمی کام میں مشغول ہو جاتے یا پھر وہ والد محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گھر چلے آتے کیوں کہ ان کو ذرا بھی اس طرح کے لوگوں سے مناسبت نہ تھی، وحشت تھی، یوں تو جب گھر آتے تو عام طور پر تینوں یعنی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مرحوم محمود حسن حسنی ساتھ ہی آتے تھے، لیکن جب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بغیر یہ دونوں حضرات آتے تو میں سمجھ جاتا تھا کہ آج ندوہ میں کسی سیاسی لیڈر کی آمد ہے۔

لیکن یہی محمود دوسری طرف دینی شخصیات سے ملنے ان کی ضیافت کرنے اور ان کا استقبال کرنے میں سب سے آگے نظر آتے تھے، اس موقع پر ان کی خوشی دیکھنے کے لائق ہوتی تھی، ایک ایک کو ملواتے، تعارف کراتے اور دعائیں دلواتے، سر پر ہاتھ پھرواتے، اور اپنی کتابیں ان کو ہدیہ کرتے۔

زمین، جائیداد، کاروبار اور دنیاداری کے معاملات سے محمود مرحوم کو ذرا بھی مناسبت نہ تھی، اس کا ذکر بھی ہوتا تو وہ اپنے چھوٹے بھائی مسعود حسن حسنی ندوی کی طرف اشارہ کرکے کہتے کہ یہ معاملات ان کے ذمہ ہیں، یہ جانیں اور ان کو بھی یہ نصیحت کرتے کہ دیکھو ان چیزوں کے چکر میں زیادہ نہ پڑنا، وقت بہت قیمتی ہے، اس کو اسی کام میں لگاؤ جو آخرت میں کام آئے، یہ سب چیزیں تو یہیں رہ جائیں گی، بس جتنا ضروری ہو اتنا ہی کرو۔

محمود مرحوم کا مزاج توڑنے کا نہیں، جوڑنے کا تھا، دور کرنے کا نہیں، قریب لانے کا تھا، فاصلے بڑھانے کا نہیں، فاصلے گھٹانے کا تھا، ادارہ کو ادارہ سے، شخصیت کو شخصیت سے، تحریک کو تحریک سے جوڑنے کا کام گویا ان کا من پسند کام تھا، ندوی، قاسمی اور مظاہری سب کو انہوں نے جوڑ رکھا تھا، بدگمانیوں کو دور کرتے، غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے، ایک کی دوسرے سے تعریف کرتے اور ایک کے سامنے دوسرے کے اچھے پہلو بیان کرتے اور یہ کام بڑے اخلاص کے ساتھ اور بڑی خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی کے ساتھ انجام دیتے۔

نیکی کی بہت سی قسمیں آپ نے دیکھی ہوں گی؛ لیکن نیکی کی جو شکلیں محمود حسنی ندوی مرحوم کے یہاں ملتی ہیں، ان کی طرف لوگوں کی نظریں کم ہی جاتی ہیں، نیکی کرنا ہی صرف نیکی نہیں؛ بلکہ کسی کو گنہگار ہونے سے بچالینا بھی ایک بڑی نیکی ہے، نیکی کی اس قسم کی طرف نیکی کرنے والوں کا ذہن کم ہی جاتا ہے؛ بلکہ ہمارے سماج میں شائد اس کو نیکی ہی نہیں سمجھا جاتا، اس کی دو مثالیں میں آپ کو دیتا ہوں۔

جب میرے والد ماجد کا انتقال ہوا تو مجھے اس بات کا خیال نہیں آیا جس بات کا خیال محمود مرحوم کو آیا، انہوں نے لائبریری جا کر یہ معلوم کیا کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے نام سے کوئی کتاب تو نہیں نکلی ہے اور اگر نکلی ہے تو وہ کونسی ہے اور اس کی کیا قیمت ہے، پھر آ کر انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے ابی کے نام یہ کتابیں نکلی ہیں، یہ کتابیں تلاش کرکے لائبریری میں جمع کرادیں یا پھر ان کی قیمت ادا کردیں تاکہ آپ کے ابی کے ذمہ حساب باقی نہ رہے۔

اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد ناصر علی ندویؒ کا جب انتقال ہوا تو محمود کو اس کی فکر ہوئی کہ ان کے نام کتابیں تو نہیں چڑھی ہیں، محمود نے لائبریری جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ فلاں فلاں کتاب مولانا کے نام نکلی ہوئی ہے، محمود نے اپنے چھوٹے بھائی مسعود سے کہا کہ مولانا میرے بھی استاذ تھے اور تمہارے بھی، لہٰذا تم لائبریری جا کر کتابوں کی قیمت جمع کردو، ان کے صاحبزادگان کو بتانے کی ضرورت نہیں، بحیثیت استاذ مولانا کا یہ حق ہم لوگوں پر بھی بنتا ہے۔

ایک واقعہ عین الحسن بھائی کی زبانی سنیے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ مولانا محمود صاحب کے ساتھ خاتون منزل سے ندوہ آرہے تھے، موتی محل پل کی

ڈھال پر ندوہ کے ایک استاد مولانا مظہر الحق کریمی صاحب پیدل ندوہ جارہے تھے، مولانا محمود صاحب نے گاڑی رکوائی، اس سے پہلے کہ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتا، دوسرے دروازہ سے تیزی سے محمود صاحب اتر گئے اور اصرار کر کے مولانا مظہر کریمی صاحب کو اپنی جگہ بٹھایا اور جگہ تنگ ہوجانے کی وجہ سے خود محمود صاحب پیدل ندوہ کی طرف چل دیے، پاؤں میں ورم تھا، کمزوری بھی تھی، میں نے بہت چاہا کہ میں چلا جاؤں، لیکن انہوں نے بڑی سختی سے مجھے روک دیا اور کہا: مجھے بھی کچھ ثواب کما لینے دیجیے۔

گاڑی روک کر کسی کو بٹھانا، کوئی کمال نہیں، لیکن اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا کر بیماری کی حالت میں خود پیدل چل دینا بڑی بات ہے، ایثار اور قربانی کے اس طرح کے واقعات اگر ان کے جمع کیے جائیں تو ایک مستقل کتاب تیار ہوجائے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ خود تکلیف اٹھا کر اور اپنے کو پریشانی میں ڈال کر دوسروں کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

غریبوں، ضرورتمندوں، پریشان حال لوگوں کی مالی مدد وہ اس طرح کرتے تھے کہ جیسے وہ ان کی مدد نہیں؛ ان کا قرض ادا کر رہے ہیں، لینے والا لے کر شائد اتنا احسان مند نہ بنتا جتنا وہ دے کر احسان مند نظر آتے تھے، ان کی خوبی یہ تھی کہ وہ گن کر نہیں دیتے تھے، جیب میں ہاتھ ڈالتے اور مٹھی میں جو آجاتا وہ دیدیا کرتے، اپنے لیے کچھ خریدنا، اپنے لیے کچھ کرنا، اپنے لیے کچھ بنانا، ان کو آتا ہی نہیں تھا۔

ایک خصوصیت ان کی یہ بھی تھی کہ آدمی کی ضرورت کو وہ خود ہی بھانپ لیا کرتے تھے اور بغیر اس کے کچھ کہے اپنی بھری مٹھی بڑی خاموشی سے اس کی جیب میں خالی کردیا کرتے تھے، اگر ان کی جیب میں اس وقت دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اپنے بھائیوں سے کہتے یا اپنے ان قریب ترین لوگوں سے کہتے جن کے بارے میں وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ دے سکتے ہیں اور دے کر خوش بھی ہوتے ہیں اور اس طرح وہ دوسروں کو بھی ایک خیر کے کام میں شریک کرلیتے، وہ خود تو انتہائی خوددار اور غیرت مند تھے؛ لیکن دوسرے کے لیے کسی دوسرے سے کہنے میں وہ ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے، وہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ اچھائی کا راستہ دکھانے والا ویسا ہی ہے جیسے کہ اچھائی کرنے والا۔

۲۰۱۲ء میں خاندان ہی کے آٹھ افراد پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ حج کو روانہ ہوا، اس قافلہ میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی، مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی اور میں بھی تھا اور ہم لوگوں کے گھر والے بھی تھے، محمود مرحوم سب میں چھوٹے تھے، انہوں نے اس موقع پر عبادت اور خدمت کو اس طرح جمع کیا کہ عبادت میں نہ کوئی کمی کی اور نہ خدمت میں کوئی کوتاہی، اس ذوق وشوق سے وہ کام کرتے تھے اور اپنے بڑوں کو ہر طرح کی زحمت سے بچانے کی کوشش کرتے تھے کہ ان کے لیے سب کے دل سے دعا نکلتی تھی، حج کے ایام میں ان کے لیے کی جانے والی یہ دعائیں یقیناً آج ان کے کام آرہی ہوں گی۔

یہ تھیں محمود مرحوم کی وہ خوبیاں جنہوں نے ان کو بلندی اور مقبولیت کے اس مقام پر پہنچادیا تھا جس کا اندازہ لوگوں کو ان کی زندگی میں تو اس طرح نہ ہوسکا لیکن ان کا جنازہ دیکھ کر اور جنازہ کے موقع پر تعلق رکھنے والوں کا ازدحام دیکھ کر لوگوں کو ضرور ہوگیا۔

☆☆☆☆☆

اوراقِ زندگی

(جلد اول)

ماضی کے جھروکوں سے کچھ تاریخی و خاندانی جھلکیاں۔ زندگی کے کچھ سبق آموز واقعات۔ مطالعاتی وتدریسی مشاغل، تعلیمی و دعوتی اسفار۔ اہم دینی، علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں۔ دینی، ملی، تعلیمی اور دعوتی تحریکات سے وابستگی کا حال۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

صفحات: ۵۰۴--- قیمت: ۴۰۰/روپئے

ڈاک مصارف کے ساتھ صرف ۲۵۰/روپئے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

'تاریخ اصلاح وتربیت' پر ایک نظر

مولانا سید عنایت اللہ ندوی ☆

مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ نے صرف نصف صدی کی زندگی پائی، اس مختصر سے عرصہ میں انہوں نے جو تصنیفی کارنامے انجام دیے، وہ قابل رشک ہیں، تصنیف کا کام آسان نہیں ہے، بڑا پتہ ماری کا کام ہے، کوئی دیوانہ ہی تصنیفی کام کرسکتا ہے، شدید جذباتی کیفیت کے بغیر ایک مضمون لکھنا بھی مشکل ہوتا ہے، چہ جائیکہ کوئی کتاب، جو تصنیفی کام سے تھوڑی بہت شغف رکھتا ہے وہ اس کی مشکلات کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور جو اس وادی سے نہیں گذرے وہ اس کو بہت آسان اور معمولی سمجھتے ہیں، تصنیفی کام کی تحقیر اس طرح کرتے ہیں کہ کام کرنے والوں کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کتاب لکھنا کیا ہے؟ ادھر ادھر سے کچھ عبارتیں لے کر جمع کردو، کتاب تیار ہوجائے گی لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مختلف کتابوں سے مواد کو جمع کرنا، ان کا صحیح انتخاب کرنا اور ان کو صحیح ترتیب سے مدون کرنا بھی ایک کافی محنت طلب کام ہے جو دلی جذبہ کے بغیر کوئی شخص کبھی بھی انجام نہیں دے سکتا۔

بہر حال مولانا مرحوم محمود حسنی قابل قدر ہیں اور قابل رشک بھی جنہوں نے کافی مختصر عرصہ زندگی میں دسیوں ضخیم کتابیں تصنیف کرڈالیں، سیرت وسوانح مولانا کا خاص موضوع تھا، زیر بحث کتاب بھی سیر وسوانح پر مشتمل ہے، تاریخ اصلاح وتربیت کا عنوان حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کے وزن پر رکھا گیا ہے، کئی جلدوں میں کتاب کی تکمیل ہونی تھی جیسا کہ مصنف نے پہلی جلد میں اس طرف اشارہ کیا ہے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، ابھی دو ہی جلدیں چھپ کر منظر عام پر آئی تھیں کہ اللہ کا بلاوا آگیا اور وہ مالک حقیقی سے جا ملے، ممکن ہے انہوں نے دیگر جلدوں کے مواد جمع کیے ہوں گے جو بعد میں شائع کی جائیں گی۔

'تاریخ اصلاح وتربیت' کی پہلی جلد ۲۰۱۵ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آئی، اس جلد میں کل دس ابواب قائم کیے گئے ہیں، پہلا باب اصلاح و تربیت اور تزکیہ واحسان کی تعریف میں ہے، اس باب میں خاص طور پر بیعت کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، بیعت کے اقسام، اس کے اغراض ومقاصد، اجازت بیعت کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرا باب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان پر مشتمل ہے جس میں ولادت سے لے کر وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، تیسرے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

خاص طور پر اکرام مسلم، عزت نفس، سخاوت، ایثار وغم خواری، خیر خواہی ودادرسی، مصالحت، صلہ رحمی، پڑوسی کے حقوق، مہمان نوازی، تواضع و انکساری، نرمی وبردباری، سچائی، امانت داری، وفاشعاری، شرم وحیا، صبر وشکر، توکل وتقویٰ، استقامت، میانہ روی، تلاوت قرآن، اذکار ودعا، توبہ، انابت واستغفار سے متعلق حدیثیں جمع کر کے ان کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں ازواج مطہرات اور اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے جس میں ۱۱ ازواج، ۳ بیٹوں اور ۴ بیٹیوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں، پانچویں باب میں خلافت راشدہ پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے، چھٹے باب میں پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں، ان کی پوری زندگی کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، خاص طور پر عہد خلافت کے کارناموں کو اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے، ان کے اس پہلے خطبہ کو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے منصب خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد دیا تھا جس میں انہوں نے اپنی عاجزی وانکساری اور اس کے ساتھ عزم وارادہ کی پختگی اور اپنے منہج کا اظہار کیا تھا، یہ خلافت کے منصب پر بیٹھنے والی وہ شان تھی جسے آگے چل کر یہ خلیفہ راشد کو اختیار کرنا تھا اور یہی چیز خلافت اور بادشاہت کا کھلا فرق بتاتی ہے۔

ساتویں باب میں دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں، پیدائش سے لے کر شہادت تک کے سارے واقعات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، ان کے دور خلافت کے عظیم کارناموں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کے سادہ اور فقیرانہ لباس اور طرز زندگی کو کئی حوالوں سے پیش کیا گیا ہے، ایک ایسا حکمراں جس کی حکومت کا دائرہ مصر سے لے کر افغانستان تک اور شام سے لے کر یمن تک پھیلا ہوا تھا، اس کے پاس صرف ایک ہی قمیص تھی جس میں ۱۲ پیوند لگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک پیوند سرخ رنگ کے چمڑہ کا تھا، آج کے حکمرانوں سے ان کا موازنہ کریں تو زمین آسمان

☆ استاذ تفسیر وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کا فرق نظر آتا ہے، آج کا ایک حکمراں تو ہر دن ایک نیا لباس تبدیلی کرتا ہے جو لاکھوں روپے کی قیمت کا ہوتا ہے، اصل فقیر تو وہ تھے جو شاہی میں فقیری کا نمونہ پیش کر کے چلے گئے، آج کے حکمراں تو صرف زبان سے کہتے ہیں کہ ہم تو فقیر ہیں جبکہ عمل بالکل اس کے برخلاف ہوتا ہے۔

آٹھویں باب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صفات و خصوصیات میں شرم وحیا، صلہ رحمی، حسن سلوک، کثرت تلاوت اور عشق و وفاداری کی اعلیٰ مثال جیسی باتوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے حضرت عثمانؓ کے ان اقدامات کا دفاع کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں نبوامیہ کے لوگوں کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں کیا تھا، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے یہ اقدامات اس لیے کیے تھے تا کہ بنوامیہ دین سے قریب ہوں اور دین کے حامی ومددگار بن کر پوری دنیا میں دین کو غالب کرنے کا کام کریں جیسا کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کیا تھا۔ اسی طرح ان کی شہادت کے واقعہ کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، خاص طور پر ان کے اس طرزِ عمل کو اجاگر کیا گیا ہے کہ خود شہید ہو جانا گوارہ کر لیا لیکن یہ گوارہ نہیں کیا کہ ان کی خاطر لوگوں کا خون بہے، یہ ایسی عظیم قربانی ہے جس کی مثال پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے، جب بلوائی مدینہ میں داخل ہوئے تو ان کے پاس اتنی تعداد میں فوج اور معاونین تھے جو ان کو کھدیڑ سکتے تھے اور لوگوں نے کہا بھی کہ آپ اجازت دیں ہم ان کو مار بھگا دیں گے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو سختی سے منع کیا بلکہ یہ تک کہا کہ اپنی تلواریں نیام کے اندر رکھ لو، میں نہیں چاہتا کہ میری خاطر لوگوں کی جانیں جائیں، مجھے لوگ مارنا چاہتے ہیں تو ماردیں، صرف ایک آدمی کی تو جان جائے گی لیکن اگر لڑائی ہوگی تو میری خاطر بہت سارے لوگ مریں گے، یہ مجھے پسند نہیں ہے، یہ ہے انسانیت نوازی کی اعلیٰ مثال جو خلیفۂ ثالث کے اس طرز عمل سے ملتی ہے، اپنے وقت کا ایسا عظیم حکمراں جس کی حکومت کا دائرہ تیونس سے لے کر چین کی سرحد تک اور آذربائیجان سے لے کر یمن تک پھیلا ہوا تھا، لوگوں کو جنگ میں جھونکنے کے بجائے خود مر جانے کو ترجیح دی۔

نواں باب حضرت علیؓ کے اقوال پر مشتمل ہے جس میں حضرت علیؓ کی خصوصیات میں سے عدل و انصاف کی صفت پر خاص روشنی ڈالی گی ہے، خلیفۃ الاولیاء کے حوالہ سے ایک ایسا سبق آموز واقعہ نقل کیا گیا ہے جس سے آج کے حکمرانوں کو سبق لینا چاہیے، واضح ہو کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قاضی شریح کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کیا تھا جبکہ خلفاء ثلاثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کے زمانہ اکثر مقدمات کا فیصلہ حضرت علیؓ ہی کرتے تھے اور اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کام کا ذمہ دار قاضی شریح کو بنایا تھا۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہوگئی، حضرت علیؓ نے اپنی زرہ کو ایک یہودی کے پاس دیکھا، اس سے کہا کہ یہ زرہ میری ہے، یہ گم ہوگئی تھی، تم نے جہاں سے لیا ہے مجھے واپس کردو، یہودی نے انکار کیا، کہا کہ یہ تو میری زرہ ہے، میں نے تمہاری زرہ نہیں لی، میں تمہیں نہیں دوں گا، حضرت علیؓ نے اس سے کوئی چھین جھپٹ یا زبردستی نہیں کی بلکہ قاضی شریح کے پاس اپنی زرہ کا مقدمہ یہودی کے خلاف دائر کیا اور کہا کہ میری زرہ اس نے لی ہے جو دے نہیں رہا ہے، قاضی شریح نے مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کو عدالت میں حاضر کیا، حضرت علیؓ ایک عام آدمی کی طرح مدعی بن کر حاضر ہوگئے اور اپنا دعوی پیش کیا، قاضیٔ شریح نے اصول کے مطابق ان سے دو گواہوں کو پیش کرنے کا حکم کیا، حضرت علیؓ نے گواہی میں اپنے غلام قنبر اور دونوں بیٹوں حسنؓ و حسینؓ کو گواہی میں پیش کیا، قاضی شریح نے دونوں بیٹوں کی گواہی کو رد کر دیا اور کہا کہ اصول کے مطابق باپ کے لیے بیٹے کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی، ان دونوں بیٹوں کے علاوہ کوئی اور گواہ ہے تو پیش کرو، حضرت علیؓ کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا تو قاضی شریح نے ان کے دعویٰ کو مسترد کرتے ہوئے اس یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا، حضرت علیؓ اس فیصلہ پر راضی ہو کر کمرۂ عدالت سے باہر آگئے، حقیقت میں وہ زرہ واقعی حضرت علیؓ کی تھی، وہ یہودی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ علیؓ کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ نہیں ملے گا، اس لیے مقدمہ خارج ہو جائے گا اور وہی ہوا۔

لیکن وہ یہودی اس واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، اس نے یہ محسوس کیا کہ یہ مسلمان انصاف کے تقاضے کو کس طرح پورا کرتے ہیں، ایک خلیفہ، امیر المومنین، بادشاہِ وقت، سارے اختیار وطاقت کا مالک، وہ چاہتا تو چھین کر مجھ سے زرہ لے جاتا، میں اس کا کچھ نہیں کر سکتا تھا، وہ صرف اشارہ کرتا تو اس کے متبعین اور فوجی مجھے جان سے مار بھی دیتے اور زرہ چھین کر بھی لے جاتے لیکن اس نے یہ سب کچھ نہیں کیا بلکہ عدالت کا سہارا لیا، قاضی جو خود اسی کا متعین کردہ تھا، وہ بھی صرف اس کے دعویٰ پر فیصلہ صادر نہیں کر دیا بلکہ اس سے گواہی طلب کی، گواہی میں اس نے تین گواہ پیش کیے، لیکن قاضی نے ....

..........بقیہ صفحہ ۳۶/ پر

دینی واخلاقی قدروں کے آئینہ دار

مولانا محمد ناصر سعید اکرمی ☆

مولانا محمود حسن حسنی ندوی کا انتقال مورخہ ۱۳ر محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲ر اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ کو ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون!

مولانا محمود صاحب کی بیماری کی خبریں کئی دنوں سے مل رہی تھیں، گردے کام نہیں کر رہے تھے، ڈائلیسس کے مراحل سے بھی گذر رہے تھے، کئی دن ہسپتال میں زیر علاج رہے، نلکیوں سے دوا پہنچائی گئی، ہاتھ کے اشاروں سے باتیں کرنے لگے، مولانا سید بلال حسنی اور مولانا سید جعفر حسنی مدظلہ سے فون کے ذریعہ مولانا مرحوم کی صحت کے بارے میں راقم معلومات حاصل کرتا رہا، انسان اپنی کوشش کرتا ہے لیکن جب وقت موعود آجاتا ہے تو علاج معالجہ کچھ بھی کام نہیں آتا، ڈاکٹر بھی عاجز آجاتے ہیں، جمعہ کے دن صبح ۹ر بجے یہ خبر آئی کہ مولانا نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور یہ خبر واٹس ایپ پر پھیل گئی کہ مولانا محمود صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے، لوگوں کی سوانح لکھنے والا قلم خاموش ہو گیا، ہر ایک کے لیے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملاقات کرنے والے کا چہرہ رخصت ہو گیا، اپنے اور پرائے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے والا اور خندہ پیشانی سے ملنے والا ہمیشہ کے لیے ساکت وجامد پڑا ہے اور تغسیل وتکفین کے بعد اپنی آخری آرام گاہ میں محو استراحت ہے: "إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أعطی ولہ ما أخذ و کل شیء عندہ بأجل مسمّی" اللہ تعالیٰ کے پاس ہر ایک کی اجل مقرر و متعین ہے، انسان اپنی اجل پوری کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، انسان کی آرزوئیں، تمنائیں انسان کے عزائم اور منصوبے سب دھرے رہ جاتے ہیں اور آدمی اٹھ جاتا ہے۔

رب ذوالجلال نے مولانا مرحوم کو ڈھیر ساری صفات وکمالات سے نوازا تھا، سب کے ساتھ حسن اخلاق سے ملتے تھے، خاموش طبیعت کے مالک تھے، حسنی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اس لیے حسنی خاندان کی وہ تمام صفات وکمالات مرحوم کے اندر پائی جاتی تھیں، علم وعمل دونوں میں آپ ممتاز تھے۔

مرحوم محمود حسنی صاحب کی تاریخ پیدائش ۲۲ر جولائی ۱۹۷۱ء کی ہے، گھر کا ماحول علمی تھا، ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے ندوہ کا رخ کیا، وہاں عالیت پھر فضیلت میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی، پھر ایک سال المعہد العالی میں داخلہ لیا اور وہاں ایک سالہ کورس مکمل کیا۔

مولانا مرحوم کو بچپن ہی سے کتب بینی کا بڑا شوق تھا، اپنا اکثر وقت کتابوں کے مطالعہ میں لگاتے، جس سے ان کی صلاحیت پختہ ہوتی گئی، درحقیقت آدمی ماحول سے بنتا ہے، ماحول اچھا ہو تو اچھا اور ماحول صالح نہ ہو تو آدمی بگڑ جاتا ہے، ماحول اگر علمی ہو تو آدمی پختہ عالم بن کر ملت کے لیے کارآمد بنتا ہے، اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لیے شروع ہی سے علمی ودینی ماحول میں خود کو ڈھالنا چاہیے، دنیا میں جو بھی بڑے بنے ہیں اور جن سے ملت کو فائدہ پہنچا ہے وہ صالح ماحول میں پنپنے کی وجہ سے بنے ہیں، اس میں ایک طرف والدین کا بڑا دخل ہے تو دوسری طرف اساتذہ کا بھی اس میں بڑا رول ہوتا ہے۔

مولانا مرحوم کو اچھا ماحول ملا، علمی فضا میں آنکھیں کھولیں، اس لیے خوب پھلے پھولے، خوب چمکے، ظاہر وباطن دونوں میں نمایاں رہے، ادھر راقم کا چند ماہ پہلے استاذ محترم حضرت مولانا محمد صادق اکرمی ندوی دامت برکاتہم کی معیت میں ندوہ کا سفر ہوا تھا، پورے پانچ دن ندوہ کے ماحول میں گزرے اور مرشد الامت حضرت مولانا کی صحبت میں رہنے کے مواقع ملے، ان ایام میں مرحوم مولانا محمود صاحب سے کئی ملاقاتیں رہیں، مہمان خانہ میں، مسجد میں، حضرت والا کی مجلس میں، دسترخوان پر، ہر وقت آمنا سامنا ہوتا، وہی ملنساری وخندہ پیشانی اور منکسر المزاجی، وہی تواضع وخاکساری ہر وقت دیکھنے میں آئی، حضرت کی مجلس میں کچھ بولتے ہی نہیں تھے، بات بھی کرتے تو نہایت دھیمی آواز میں، دسترخوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے کے مواقع ملے، معمولی اور نہایت قلیل مقدار میں کھانا تناول کرتے، ہم وجہ پوچھتے تو ہنس کر ٹال دیتے، مولانا سال بھر سے بیمار ہی چل رہے تھے، غالباً بیماری کے ان ایام میں ایک مرتبہ بھٹکل بھی تشریف لائے تھے اور یہ سفر بغرض علاج ہوا تھا، تین روز جامعہ اسلامیہ میں مولانا کا قیام رہا، اساتذہ کے درمیان مولانا کا خطاب بھی ہوا، اس موقع پر مولانا نے بڑے درد کے ساتھ علماء کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اس کی طرف خصوصی توجہ دلائی، اس فتنہ کے زمانہ میں جب کہ مساجد اور مدارس دشمنوں کے نشانہ پر ہیں، ہماری مساجد محفوظ نہیں ہیں، ہماری خانقاہیں محفوظ نہیں ہیں، تو علماء کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، اب یہ وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے کا نہیں ہے، کچھ اس طرح کی باتیں مولانا نے اپنے خطاب میں فرمائی تھیں، ایسا لگا کہ مولانا نے کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہو،

☆ ایڈیٹر 'ماہنامہ 'نقوش طیبات' معہد امام حسن البناء، بھٹکل

میں اگر چہ اس وقت موجود نہیں تھا لیکن سننے والوں نے مجھے بتایا کہ مولانا کی وہ تقریر پر سوز تھی، ایک کڑھن اور بے کلی و بے چینی کی سی کیفیت مولانا کی باتوں سے ظاہر ہو رہی تھی، کسی نے ریکارڈ کیا ہو تو وہ تقریر ضرور شائع ہونی چاہیے۔

مولانا مرحوم بھٹکل کئی بار آئے، حضرت مفکر اسلام کے ساتھ آئے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ آئے، آخری مرتبہ وفات سے پہلے جب تنہا آئے تھے تو اس موقع پر کھل کر بات بھی کی تھی، جو دین کا کام کرتا مولانا اس سے بہت خوش ہو جاتے تھے، ہمت بڑھاتے، مشورے دیتے، حتی الامکان ساتھ بھی دیتے، دوسروں کے کاموں سے خوش ہوتے، تشجیعی کلمات سے نوازتے، قدر کرنا، ہمت بڑھانا یہ حسنی خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے، راقم یہ بات یوں ہی نہیں کہہ رہا ہے بلکہ علی بصیرۃ کہہ رہا ہے، ان کے اکابر کو ہم نے دیکھا ہے، حضرت مفکر اسلام سے لے کر مرشدامت تک، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم اور مولانا حمزہ حسنی سے لے کر مولانا سید بلال حسنی اور محمود حسنی تک اسی طرح دیگر حضرات کو سب کو دیکھا اور دیکھ رہا ہوں، سب کے سب اللہ والے، نیک دل، نیک طینت، سب کے سب اسلاف کے نمونے اپنی سادگی میں، رہن سہن میں، علم وعمل میں سب میں ممتاز وفائق ہیں۔

مرحوم محمود صاحب کے بارے میں لکھنے والوں نے بہت لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں، ان کے بارے میں مولانا عمر عابدین نے لکھا ہے:

''مولانا مرحوم اخلاقی قدروں کے آئینہ دار، خاندانی روایتوں کے پاسدار اور حسنی نسبتوں کے تاجدار تھے، تواضع و انکساری کے پیکر اور مہمان نوازی کے خوگر تھے، جو ان سے ملتا ان کا ہو جاتا تھا، سادگی و درویشی میں ڈھلے اور قلندرانہ رنگ وآہنگ میں سجے سجائے تھے، سنجیدگی و متانت کے ساتھ ساتھ تبسم آمیز لب ولہجہ ان کی شخصیت کا عکس خاص تھا، یہی مولانا مرحوم کی زندگی کا عکس اور نچوڑ تھا''۔

معہد امام حسن البنا میں بھی مولانا تشریف لائے تھے، اس کی سرگرمیوں سے آگاہی حاصل کی اور اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار بھی معائنہ کاپی میں تحریر فرمایا، معہد سے نکلنے والے رسالہ ''نقوش طیبات'' کے خصوصی شماروں میں مولانا کے مضامین شائع ہوئے ہیں، جب بھی مضمون کے لیے فون پر درخواست کی جاتی، مضمون بھیج دیتے، ادھر وفات سے دو ماہ پہلے ''مولانا شہباز اصلاحی اور تصوف'' کے عنوان پر ۲۰-۲۲ر صفحات پر مشتمل مضمون ارسال فرمایا تھا، معہد میں جو کتاب بھی شائع ہوتی مولانا کی خدمت میں ارسال کی جاتی، مولانا اس کو سراہتے اور تشجیعی کلمات سے نوازتے، وفات سے چند ماہ پہلے معہد سے چار کتابیں شائع ہوئی تھیں: ''ذکر ندوہ''، ''مکتوبات شہباز''، ''سوئے حرم''، ''ڈاکٹر حمید اللہ'' یہ سب مولانا کی خدمت میں ارسال کی گئیں تو مولانا نے فون پر ملنے کی اطلاع دی اور مکتوبات شہباز کی روشنی میں اپنا مضمون ارسال فرمایا اور جابجا اس کے حوالے بھی دیے۔

مولانا مرحوم کو سوانح عمری لکھنے میں ید طولیٰ حاصل تھا، ان کے رواں قلم سے کئی کتابیں معرض وجود میں آئی ہیں، ''تذکرہ مولانا زبیر الحسن کاندھلوی''، ''تذکرہ سید عبداللہ حسنی''، ''تذکرہ مولانا یونس جونپوری''، ''تذکرہ مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

استاذ محترم مولانا محمد اقبال ملا ندوی پر ''ذکر اقبال'' کے نام سے کتاب معہد سے شائع ہوئی تو اس میں مولانا کا طویل مضمون ہے، مولانا لکھتے ہیں:

''سال رواں میں برصغیر کی جن ذی علم وعمل شخصیات نے وفات پائی، ان میں ایک اہم نام بھٹکل کے مولانا حمد اقبال ملا ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، جنھوں نے سخت حالات میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی تھی کہ ان کے معاشی حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ تعلیم یکسوئی سے حاصل کر پاتے، دین اور علم دین کا شوق تو انہیں ندوہ لے آیا تھا، یہ ۱۹۶۵ء-۱۹۶۶ء کا سن رہا ہوگا، یہ اور ان کے دو اہم اور بعد کے بزرگ ساتھی محمد صادق اکرمی ندوی، مولانا محمد غزالی ندوی بھی تھے، ندوہ میں ان کے ساتھیوں میں عالی مکرم ومحترم مولانا حمزہ حسنی ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا محمد حسان نعمانی صاحبزادۂ گرامی منزلت حضرت مولانا منظور نعمانی، مولانا محمد عمر ٹونکی وغیرہ تھے''۔[ذکر اقبال:۱۲۱]

جامعہ کے یکے از بانیان، بھٹکل کی روحانی شخصیت، حضرت مولانا سید ابرارالحق کے خلیفہ اجل حضرت ڈاکٹر علی ملپا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال پر معہد حسن البنا سے ۴۰۵ر صفحات پر مشتمل ''نقوش طیبات'' کا خصوصی نمبر شائع ہوا تو اس میں مرحوم محمود صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے اپنے روابط کا اظہار کرتے ہوئے تفصیلی مضمون ارسال فرمایا تھا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''عارف باللہ حضرت ڈاکٹر علی ملپا بھٹکلی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ تھانوی کی عظیم المرتبت شخصیت اور یادگار اسلاف تھے، جن کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آتا تھا، جن کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا تھا، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری الٰہ آبادی کے اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق حقی ہردوئی کے خلیفہ اور ایک صاحب دل اور قوی النسبت بزرگ تھے، جامعہ اسلامیہ کے بانی اور صدر اور سرپرست تھے''۔[نقوش طیبات ڈاکٹر علی ملپا نمبر:۱۸۹]

''ان کی یعنی حضرت شاہ ابرارالحق صاحب کی وفات کے بعد اسی فہرست کے اہم رکن حاجی

حقداد خان علیہ الرحمہ سے رجوع کیا اور بیعت کی، حضرت حاجی صاحب کا تعلق لکھنؤ سے تھا، لکھنؤ کے اس سفر میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے لکھنؤ کی برگزیدہ شخصیات اور ندوہ کے اکابرین کی زیارت کی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور دوسری بڑی شخصیات تھیں، جہاں تک مولانا عبدالماجد دریابادی کا تعلق ہے وہ ان کی محسن شخصیت ہیں جن سے ان کو اس راہ میں چلنے کا حوصلہ کلکتہ کے زمانہ قیام میں ملا تھا، جب وہ کلکتہ میں مقیم تھے، پھر یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ڈاکٹر صاحب نے دریا باد کے بھی سفر کیے اور مولانا دریابادی جن کے یہاں اوقات کی تقسیم تھی اور ملاقات کے لیے محدود وقت دیا کرتے تھے تاکہ علمی و تصنیفی مشاغل متاثر نہ ہوں، آپ کے لیے دوسرے خانگی اوقات میں کمی کر کے وقت فارغ کرتے اور ہر ہر قدم پر آپ کو مولانا دریابادی کی رہنمائی حاصل رہی"۔[ڈاکٹر علی ملپا نمبر:۱۹۰]

مولانا محمد غزالی ندوی مرحوم پر مولانا محمود نے خوب تحریر فرمایا ہے، چنانچہ معہد سے جب مولانا غزالی پر ضخیم خصوصی شمارہ نکلا جو ۲۶۷ر صفحات پر مشتمل ہے، یہ خصوصی نمبر بڑے آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا تھا اور اس کا اجراء حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی کی مجلس میں ہوا تھا۔

اس میں بھی مولانا محمود مرحوم کا مضمون شائع ہوا ہے، مولانا مرحوم کے مولانا غزالی صاحب سے اچھے روابط تھے، مولانا نظام الدین دہلی جاتے تو انہی کے پاس رکتے، مولانا غزالی اپنی مادر علمی ندوۃ العلماء تشریف لاتے تو مولانا محمود صاحب فرط محبت میں آنکھیں بچھاتے نظر آتے، مولانا محمود صاحب کو مولانا غزالی صاحب سے غیر معمولی تعلق تھا، اس خصوصی نمبر میں مولانا کا کئی صفحات پر مشتمل مضمون شائع ہوا ہے جس کا ایک اقتباس یہاں ملاحظہ فرمائیں:

"مخدوم گرامی حضرت مولانا محمد غزالی خطیبی ندوی نور اللہ مرقدہ کی ایمان و تقویٰ کی حامل ولایت والی زندگی نے ربوبیت کاملہ پر وہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ زندگی کے سخت حالات، نشیب و فراز سب میں وہ اس اطمینان کے ساتھ کمال شکر و صبر سے آگے بڑھتے چلے گئے کہ نہ ان کا دامن داغ دار ہوا، نہ زبان پھسلی، نہ دل میلا ہوا"۔

"ہم کفش برداروں کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے تھا کہ وہ نہ صرف انھیں بلکہ ان سے نسبت رکھنے والوں کو بھی عزیز رکھتے تھے، انھیں مثل فرزند کے اور ان کے فرزندان و اخلاف کو مثل احفاد و اسباط کے دیکھتے اور خیال فرماتے تھے، مرکز نظام الدین دہلی میں انھیں اپنا نمائندہ اور نائب خیال کرتے اور باعث تقویت و تسکین الفاظ کہتے اور حوصلہ دلاتے اور ان سے اپنی چاہت کا اظہار بھی فرماتے"۔

نقوش طیبات کا خصوصی نمبر مولانا عبدالباری صاحب فکر دے ندوی کی وفات پر نکلا تھا، اس میں مرحوم نے مولانا مرحوم سے اپنے تعلقات اور ملاقات کا اور ان سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے، مولانا مرحوم کی کتاب سے اور اس خصوصی نمبر سے ایک ایک اقتباس یہاں نقل کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

۱-مولانا محمود صاحب نے ان کی وفات پر "تذکرہ مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی" کے نام سے مستقل کتاب شائع کی، یہ کتاب دوسو صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کی ابتدا میں تحریر کرتے ہیں:

"کوئی ادارہ قائم ہوتا ہے تو اس کے لیے کچھ آئیڈیل شخصیتیں ہوتی ہیں اور ادارہ کی کامیابی اس صورت میں نظر آتی ہے، جب اس کے پروردہ لوگوں میں کوئی جامع صفات شخص سامنے آئے، ایمان و عمل، صلاح و اصلاح، دعوت و ارشاد، تعلیم و تربیت ان تمام کاموں کو بہتر طور پر انجام دینے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو جامعہ اسلامیہ بھٹکل مولانا عبدالباری ندوی کو پیش کر سکتا ہے اور جامعہ اسلامیہ کا پیش کرنا دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پیش کرنا ہے، وہ جامعی تھے اور ندوی بھی اور سب سے بڑھ کر وہ اپنے عمل و کردار سے محمدی تھے"

۲-"مولانا مرحوم نے اجتماعی و سماجی زندگی اختیار کی، استاد ہونے کی حیثیت سے طلبہ و اساتذہ سے اور پھر مہتمم ہو جانے سے طلبہ اساتذہ اور دیگر کارکنان ادارہ سے ذمہ دارانہ تعلق اور ان کے ساتھ نشست و برخواست، جامع مسجد کے امام و خطیب کی حیثیت سے عوامی زندگی سے ربط بڑھا اور لوگوں کے مسائل و حالات کو سننے اور ان کا حل پیش کرنے کا زیادہ موقع ملا، جب بھی کوئی طالب وسائل آتا تو اپنی کسی مشغولیت کو اس کے لیے مانع نہیں بننے دیا، اس کے علاوہ مغرب سے عشاء کے درمیان کا وقت مسجد میں گذارتے کہ جس کو جو پوچھنا پاچھنا ہو وہ بہ آسانی اور بے تکلف اپنی یہ ضرورت پوری کر لے۔ مسئلہ کا صحیح حل پیش کرنے اور نرمی سے پیش آنے سے ان کا دائرہ محبت و عقیدت بڑھتا گیا اور ان کا یہ خیر ان مقامی افراد کے ذریعہ دوسرے ممالک میں رہنے والوں میں بھی متعدی ہونے لگا تھا جہاں بسنے والے ان کے جمعہ کے خطبات و مواعظ سے جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے مستفید ہوتے تھے، اپنے خطبات میں بہت اونچی باتیں کرنے کے بجائے عام زندگی سے متعلق ایسی مؤثر گفتگو کرتے جس سے وہ لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے تھے، ان کے مواعظ و خطبات میں خواتین و مستورات کے لیے بڑی رہنمائی کا سامان ہوتا تھا، ایک طرف وہ اچھی زندگی گزارنے کے لائحہ عمل دیتے،

دوسری طرف اس مایوسی کو دور کرتے جو عموماً زندگی کے نشیب و فراز میں کبھی اپنی غلطیوں سے اور کبھی حالات کی ناسازگاری سے پیدا ہو جاتی ہے“۔ مولانا محمود حسنی مرحوم کی عین خواہش تھی جس کا اظہار بھی فون پر راقم سے کیا تھا کہ معہد امام حسن البنا سے مولانا سید واضح رشید ندوی پر ایک خصوصی نمبر نکلے، وہ چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ جس شان کے ساتھ معہد سے نمبرات نکلے ہیں اس طرح کا ایک نمبر حضرت مولانا واضح پر بھی نکلے، لیکن بات آئی گئی ہوگئی، کام آگے بڑھ نہ سکا، جس کا ہمیں افسوس بھی ہے قلق بھی۔

مولانا واضح صاحب محمود صاحب کی بڑی تعریف کرتے تھے، کہتے تھے کہ محمود صاحب کو اپنے آباء واجداد کی تاریخ پر اچھی خاصی نظر ہے، ان کو تاریخ وسنین خوب یاد بھی رہتے ہیں۔

مولانا مرحوم نے ندوہ سے فراغت کے بعد اپنے آپ کو علم کے لیے فارغ کر دیا تھا، صبح و شام اپنے علم کو ترقی دینے اور اس میں کمال پیدا کرنے کی فکروں میں لگے رہتے، ابتداء میں مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دی، چونکہ مولانا کو تصنیف و تالیف کا خاص ذوق تھا اس لیے دار عرفات رائے بریلی کے شعبۂ تحقیق و تصنیف سے منسلک ہو گئے، ندوہ سے نکلنے والے رسالہ ”تعمیر حیات“ کے نائب ایڈیٹر کی حیثیت سے سالوں کام کیا، اس میں برابر مضامین لکھتے رہے، اسی طرح ”پیام عرفات“ اور رسالہ ”رضوان“ میں ادارت کی حیثیت سے خدمات پیش کیں، مولانا مرحوم نے چونکہ سنجیدگی و متانت، وقار و شائستگی کا وافر حصہ پایا تھا اور یہی چیز آدمی کو علم و عمل، تصنیف و تالیف، تحقیق و تفتیش کی بلندی تک پہنچا دیتی ہے، اس لیے اس ناحیہ سے بہت کام انجام دینے لگے، ان کے رواں قلم سے نکلے ہوئے تمام مضامین کو یکجا کرنے اور شائع کر کے عام کرنے کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ آئندہ آنے والی نسل ان سے استفادہ کرے۔

مولانا مرحوم نے ایک درجن سے زائد کتابیں اپنے پیچھے یادگار چھوڑی ہیں اور مزید کتابیں اور تحقیقی مضامین ان کے اشہب قلم سے نکلتے، لیکن زندگی نے وفا نہیں کی، پتہ نہیں ان کے کیا کیا عزائم اور ارادے تھے اور کیا کچھ لکھنا چاہتے تھے، دنیا میں کہاں کس کی آرزو پوری ہوئی ہے، یہ آرزوؤں کے پوری ہونے کی جگہ نہیں ہے، دنیا میں آدمی مختصر وقت لے کر آتا ہے اور تقدیر نے جو کام اس کے ذمہ لکھ دیا ہے اس کو پورا کر کے وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

اس سال کے ماہ فروری کے ”تعمیر حیات“ میں آپ نے اداریہ تحریر فرمایا یعنی وفات سے ۵-۶ر ماہ پہلے کا یہ اداریہ ہے، لکھتے ہیں:

”یہ وہ مہینہ ہے جو یاد دلاتا ہے طائف کے سفر کی... جو واقعۂ معراج سے پہلے پیش آیا تھا... اور جس کے غم و آلام اور مشقت و کدورت کی تلافی حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلا کر کی۔ کس جذبہ و تعلق سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے طائف گئے تھے کہ ان کو حق کی راہ دکھائیں... ہول ناک اندھیروں سے نکالیں اور دل کش و حسین روشنی میں لے آئیں... دوزخ کی آگ اور اس کے عذاب سے بچائیں اور جنت کی لازوال اور پُر تعیش نعمتوں میں پہنچا دیں۔ راستہ کی کن مشکلات سے گذر کر وہاں پہنچا تھا... جس میں تپتا ہوا صحرا بھی تھا... لُو کے تھپیڑے بھی تھے ... پیروں کے نیچے دہکتے ہوئے سنگ ریزے تھے تو سر کے اوپر آگ اگلتا ہوا سورج تھا... راستہ کی ناہمواریاں تھیں اور بلندی کی جاں گسل مسافت تھی۔ کیسی امیدوں کے ساتھ گئے تھے... کیسے خوابوں کو آنکھوں میں سجائے ہوئے... کیسی آرزوؤں کو دل میں بسائے ہوئے کہ اہل مکہ نے ناسمجھی کا ثبوت دیا تو کیا ہوا، دُھتکار دیا تو کیا ہوا... ظلم و عناد کی حد کر دی تو کیا ہوا... حیوانیت پر اتر آئے تو کیا ہوا... اہل طائف ضرور استقبال کریں گے... محبت سے نوازیں گے... استقبال کریں گے اور مہمان بنائیں گے، پھر ان کے ساتھ مل کر حق کی صدا بلند کی جائے گی... اور حق پسندوں کی جماعت تیار کی جائے گی... حق کا بول بالا ہوگا... اور اہل حق پر ظلم و ستم کا خاتمہ ہوگا، مگر وہاں کے شر پسندوں نے اوباش لڑکوں اور لوفروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکسایا اور بھڑکایا، جس کے نتیجہ میں انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ پر لے لیا... جسم اطہر بھی لہولہان... قلب مبارک بھی ریزہ ریزہ... ایسی ذہنی اذیت اور نفسیاتی چوٹ کہ ’الامان... الحفیظ‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کی اگر سب سے اچھی اور سچی منظر کشی اگر کوئی فصاحت و بلاغت کے میدان کا شہسوار کر سکتا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی یہ فصیح و بلیغ دعا اس کیفیت کی بھرپور غمازی کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کریم کے حضور شکوہ کناں ہیں“۔

یہ ماہ رجب کا رسالہ تھا اور اسی ماہ رجب میں معراج ہوئی تھی، واقعۂ معراج کو اور طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بیتی تھی اس کو کس قدر اچھے اسلوب میں مولانا مرحوم نے پیش کیا ہے، انداز تحریر سے اسلوب ماجدی کی یاد بھی تازہ ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور قوم و ملت کو آپ کا نعم البدل نصیب کرے۔

☆☆☆☆☆

ایک قلب ذاکر اور نفس شاغل

ڈاکٹر یوسف عظیم صدیقی ☆

ہماری دنیوی زندگی میں بسا اوقات ایسی شخصیات سے واسطہ پڑتا ہے کہ ہم کو یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ہم ان کے کس نیک پہلو کو زیادہ اجاگر کریں، ہم سب کے ہر دل عزیز مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ہی ایک شخصیت تھے جس نے عمر تو صرف آدھی صدی کی پائی لیکن کام کئی صدی کے کر گئے، مولانا ایک عالم باعمل اور صاحب طریقت اور انساب کے ماہر تھے، یقیناً بڑے علمائے کرام، اہل اللہ وصوفیائے کرام خراج عقیدت پیش کریں گے، گر کہ بندہ کو اس فن میں کسی قسم کی لب کشائی کی ضرورت نہیں لیکن شاید بیس سال کی شفقت کا صلہ ان چند الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا محمود حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلے پہل نام میں نے 'کاروانِ زندگی' کی آخری جلد میں پڑھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کے جب آخری لمحات کی روداد سنی تو یہ معلوم ہوا کہ دو خوش نصیب نوجوان تھے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے آخری لمحات میں تھے، ایک تھے مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی اور دوسرے ہمارے مولانا محمود حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ۔ معلوم ہوا کہ آپ کی عمر اس وقت تیس کی بھی نہیں تھی لیکن حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے مشائخ صوفیاء پر ایک پُر نور رسالہ مرتب کیا جس کا نام تھا 'سلاسل اربعہ'۔

پونا کے دوران قیام جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے خط وکتابت شروع ہوئی تو اکثر و بیشتر خطوط مولانا محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھے ہوتے تھے، ایک دفعہ میں نے ان کو بھی الگ سے خط لکھ دیا، بس کیا ہونا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ محمد ذوالنفس الزکیہ کے حفید سعید نے کرم فرمائی کا باب کھول دیا۔

کچھ عرصے بعد جب ندوے حاضری ہوئی تو مولانا محمود حسنی کی شفقت سے مبہوت ہو گیا، معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ایک طبیب اپنے مریض کے انتظار میں تھا، رمضان المبارک میں تکیہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں حاضری دینے کا موقع ملا، اس وقت یہ احساس ہوا کہ یہ سادہ لوح اور نیک طینت مرد مومن کتنے کتنے دلوں کو منور کر رہا ہے، اپنے ذکر جہری سے اور اپنی نگاہ اہل اللہ سے۔

ایک بار موسم گرما کے دوران حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے ممبئی کا سفر کیا، آپ کے ساتھ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمود حسن حسنی بھی تھے۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا محمود حسنی کا ذکر جہری ممبئی شہر کی مادی ہوا کو کسی سنوسی خانقاہ کے مانند کر دیتا، اسی سفر کے دوران آپ کو حضرت صوفی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ پر لے گیا۔

آپ کی زندگی میں آخری دفعہ رائے بریلی کی حاضری رمضان المبارک میں ہوئی، جب عصر کے وقت گاڑی سے اترا تو میں نے ایک نمازی سے پوچھا کہ مولانا محمود حسنی کہاں ہیں؟ تو پہلے تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا، پھر کہا کیا آپ محمود صاحب کو ڈھونڈ رہے ہیں جو اس مسجد کے مالک ہیں؟ دو دن کے بعد میں نے مولانا محمود حسنی سے کہا کہ میرے ساتھ یہ قصہ پیش آیا اور حقیقت میں آپ ہی اس مسجد کے مالک ہیں، کیونکہ مسجد ہے اللہ تعالیٰ کا گھر اور آپ ہیں اللہ والے آدمی، اس پر آپ مسکرائے اور کہا کہ ہم کہاں اللہ والے ہیں، دراصل یہی صفت تھی مولانا محمود حسنی کی کہ آپ خشک صوفی نہ تھے بلکہ ذکر کی مداومت سے آپ کے اندر فنائیت اور شفقت کوٹ کوٹ کر بھر گئی تھی، اسی سفر کے دوران مجھے آپ کی معیت میں ایک جگہ افطار پر بھی جانے کا حسن اتفاق ہوا، گو کہ گھر مسجد شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کافی دور تھا لیکن اس نیک طینت مرد مومن نے گوارا نہیں کیا کہ میزبان کو کسی قدر کی زحمت دیں، اس رات کئی تراویح کی جماعتوں میں بھی الگ الگ شریک ہوئے، بعد میں آپ نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ مولوی محمد بن عبداللہ حسنی سلمہ کی بھی امامت میں شریک ہو جائیں۔

مولانا محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو انساب وسوانح میں عبور ورثہ میں ملا تھا، چنانچہ آپ کے نانا حضرت مولانا محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ بلند پایہ کے سوانح نگار تھے، گو کہ مولانا محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بہت کم تھی جب آپ کے نانا کا انتقال ہوا لیکن حسنی خانوادہ کے انساب واخبار پر عبور اب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمود حسن حسنی کی طرف منتقل ہو گیا تھا، آپ کے قلم سے معاصرین اہل اللہ کی سوانح کے ساتھ ساتھ 'تاریخ اصلاح و

☆ ماہر اسلامی معاشیات، دبئی

تربیت' کے نام سے بھی ایک عظیم الشان کتاب منظرعام پر آئی، آخری دن بلکہ آخری کے کچھ سال آپ کے مختلف امراض میں گزرے، شاید یہ آپ کے رفع درجات کا ایک سبب تھا جو کہ من جانب اللہ تھا، انتقال سے کچھ روز پہلے غنودگی کی کیفیت تھی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا کہ ایک مرد ذاکر کو آخری لمحات دنیا و مافیہا سے دور رکھے۔

اس مختصر سے مضمون کو میں مولانا محمود حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہی ملفوظ سے ختم کرتا ہوں، ایک دفعہ میں نے آپ سے کہا کہ اس میں کیا حکمت الٰہی تھی کے آپ کے نانا حضرت مولانا محمد ثانی حسنی نوراللہ مرقدہ کو عمر زیادہ نہیں ملی ورنہ وہ تو ایک بہت بڑی اصلاحی اور روحانی تبدیلی لا سکتے تھے، اس پر آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کے اندر صلاحیتیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں اور اس کی ملکیت بھی اس کی ذات کے پاس ہوتی ہے، چنانچہ جس خدائے ذوالجلال نے صلاحیت دی اسکو یہی منظور تھا کہ بندہ اتنی ہی مقدار کی زندگی پائے، شاید یہی بات ہمارے مولانا محمود حسنی کے لیے بھی صحیح تھی، گو کہ اس بات کا اندازہ سب کو تھا کہ آپ سے روحانی اور اصلاحی کام بہت پھیلے گا لیکن اس مختصر سی زندگی نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ عمر وہی کارآمد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کٹے ورنہ تو یہ فانی ہے۔

جمعہ کی وفات اور نماز جنازہ میں جم غفیر کا ہونا اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ یہ مرد مومن مقبول عند الملأ الاعلی ہے اور یہ محمود بھی اور حسن الخلق بھی، رحمة الله عليه رحمة واسعة۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۳۰ر کا

دو گواہ کو اس لیے مسترد کر دیا کہ وہ گواہی کی شرط پوری نہیں کر رہے تھے، قاضی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا حالانکہ یہ زرہ میری نہیں ہے، اسی کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اسلامی عدالت کا ایسا تاریخ ساز فیصلہ ہے جس کا تصور بھی انسانی دنیا کو نہ رہا ہوگا، واللہ یہ تو پیغمبرانہ عدل وانصاف ہے، وہ یہودی پھر حضرت علیؓ کے پاس زرہ لے کر گیا، ان کے پاس اعتراف کیا کہ اے امیر المومنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے، یہ زرہ یقیناً آپ کی ہے، فلاں دن یہ آپ کی اونٹ سے گر گئی تھی تو میں نے اسے اٹھالیا تھا، آپ کی امانت ہے، آپ لے لیجیے اور مجھے کلمہ پڑھا دیجیے، پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

دسواں باب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے احوال پر مشتمل ہے، اس میں ان دونوں حضرات کی قربانیوں پر خاص روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت حسنؓ نے خلافت وحکومت کے حق سے دستبرداری اختیار کر کے ایسی عظیم الشان قربانی دی تھی جس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اگر وہ اپنے حق پر رہتے تو بھی کافی لڑائیاں ہوتیں اور بے شمار انسانوں کی جانیں جاتیں، حضرت حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کر کے ان کی امارت کو تسلیم کر لی تو اس سے بہت ساری جانیں بچ گئیں، اسی طرح حضرت حسینؓ کربلا کے میدان میں شہادت کا مقام حاصل کر لیا اور یہ پیغام دیا کہ باطل کے آگے سر جھکانے کے بجائے سر کٹا لینا بہادروں کی علامت ہوتی ہے۔

کتاب کی اس پہلی جلد میں دو مقدمے ہیں، پہلا مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور دوسرا مقدمہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کا ہے، پھر ایک پیش لفظ مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کا ہے اور بعد میں عرض مصنف ہے، پہلی جلد ۶۵۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی دوسری جلد ۵۶۸ر صفحات پر مشتمل ہے جو ۲۰۲۰ء کو طبع ہوئی، یہ پوری جلد ممتاز صحابہ اور صحابیاتؓ کے تذکروں پر مشتمل ہے، پہلے مقام صحابہؓ کے عنوان سے قرآنی آیات، احادیث نبوی اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں صحابہ کی تعریف، صحابہ کی عظمت اور دیگر مسلمانوں کے مقابلہ میں صحابۂ کرامؓ کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، پھر ۳۱ر صحابہ اور ۱۷ر صحابیات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا۔

اس دوسری جلد میں ایک مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا ہے، پیش لفظ جناب مولانا بلال حسنی ندوی کا ہے، پھر عرض مصنف کے بعد دو اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ایک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقدمہ سے ماخوذ ہے جو حضرت مولاناؒ نے حیاۃ الصحابہ کے لیے تحریر فرمایا تھا اور دوسرا اقتباس حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب 'خطبات مدراس' سے منقول ہے۔

بہرحال کتاب کی تیاری میں مولانا مرحوم کو کافی محنت کرنی پڑی ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور کتاب کے فوائد کو عام فرمائے، اللہ تعالیٰ نے مولانا محمود حسنی سے اتنی کم عمری میں بہت کام لیا، اگر کچھ دن اور زندہ رہ جاتے تو اور بھی بہت ساری کتابیں سیر واراخ میں وجود میں آسکتی تھیں لیکن ہر انسان کی عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے، اتنے ہی دن وہ زندہ رہ سکتا ہے جتنے اس کے لیے متعین کر دیے گئے ہیں، اس سے نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے، اللہ تعالیٰ مولانا محمود حسنی کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، ان کی کتابوں کے فائدہ کو عام فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ہمارے برادر اکبر- رحمۃ اللہ علیہ

مسعود حسن حسنی ندوی ☆

جناب محمود حسن حسنی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے برادر اکبر تھے، اور ہماری نسل میں سب سے بڑے تھے، ننھیال و ددھیال دونوں کی آنکھ کا تارا تھے، وہ جناب مسلم حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پوتے تھے، مسلم حسنی جناب شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کی نسل سے تھے، اس نسل میں بہادری کے جوہر نمایاں تھے، اس نسل کی شاخ میں اگھا میاں بڑے بہادر تھے جن کی بہادری کے بڑے قصے مشہور تھے، اسی وجہ سے خاندان کی اس نسل میں سپہ گری کے جوہر زیادہ ملتے ہیں، اس کی شاخ میں ایک بڑی شخصیت جناب امین احمد نصیر آبادی کی گزری ہے جن کے علم وفضل، اتباع سنت، بدعات وخرافات سے نفرت سے پورا علاقہ نہ صرف یہ کہ واقف تھا بلکہ ان سے تعلق کی وجہ سے پرتا پگڑھ، نصیر آباد اور دیگر قرب وجوار کے علاقے سے یہ چیزیں غائب ہوچکی تھی، مولانا صاحب نسبت بزرگ تھے اور پورا علاقہ ان سے فیض یاب ہوتا رہا، محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ یہ اسی خاندان کے فرد فرید تھے، ان کا ننھیال جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا گھر تھا جن کے والد جناب مولانا حکیم عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل میں نہ کہ ممتاز فرد فرید تھے بلکہ اوپر تک ان کے خاندان میں علم وفضل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ملتا ہے اور یہ خاندان آج بھی علم سے وابستہ ہے، محمود حسنی جن کو ہم محمود بھیا کہتے تھے، وہ ددھیال کے مقابلے میں ننھیالی نسبتوں کے حامل زیادہ رہے، انہوں نے اپنے ننھیال کی علمی خصوصیات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور اس طرح اس سے چمٹے کہ آخری عمر تک انہی خصوصیات سے آراستہ رہے اور اس خاندان کے علم، تقویٰ، صلاح وللّٰہیت کی گٹھری کو اپنے سینے سے لگائے لگائے اس دنیا سے رخصت ہوئے، زہد و استغناء کے وہ پیکر تھے، وقت کا ایک ایک لمحہ ان کے لیے قیمتی شے تھی، زندگی گزارنے کا طریقہ انہیں معلوم تھا، وہ پیکر صدق وصفا تھے، وہ تربیت میں رہے عائشہ بی کے، پھر بڑے ہوکر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کے بحر بیکراں سے وہ آسودہ ہوئے، ان کے انتقال کے بعد اپنی والدہ کے حکم سے تواضع وللّٰہیت کے پیکر، اخلاص وبے نفسی کے خوگر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کو اختیار کرکے اپنی علمی موشگافیوں کا آغاز کیا اور چند سال ہی میں بڑے بڑے مصنفوں، سوانح نگاروں، تاریخ دانوں اور انساب کے ماہرین کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔

کون سا راز تھا جس کو انہوں نے پا لیا تھا، اور مقبولیت ومحبوبیت کی منزلوں کو پار کرتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھے جا رہے تھے، جس طرح ایک تیز گام گھوڑا اپنی منزل کے حصول کے لیے چھلانگیں مارتا ہے، اسی طرح یہ مرد میدان بھی آگے کی جانب رواں دواں تھا، اور لوگوں کی نگاہیں اس پر ٹکی ہوئی تھیں اور منزلیں کی منزلیں طے ہوتی ہو جا رہی تھیں، قلم تھا کہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا، صفحات سیاہ ہوتے جا رہے تھے، اخلاص، تواضع وانکساری میں صفحات پر نام مختلف لوگوں کا لکھا جا رہا تھا لیکن تحریریں خود بتا رہی تھیں کہ یہ کسی مرد میدان ہی کا کام ہے۔

ذرا پیچھے کی جانب نظر دوڑائیے، بچپن کو دیکھئے، ان صلاحیتوں سے پردہ اٹھائیے تو نظر آتا ہے کہ ایک عام سا طالب علم ہے جیسے بہت سے ہوتے ہیں، تحریر بھی بس ایسی کہ لوگوں کو اپنی جانب راغب نہ کرے، ۱۹۷۱ء میں پیدا ہونے والا یہ بچہ عام بچوں کی طرح تعلیم حاصل کرتا ہے، کوئی امتیازی شان نہیں ہے، لیکن ہاں بڑوں کی عزت وتعظیم کا خوگر ہے، والدین کی حکم عدولی کے تصور سے کانپ جاتا ہے، بڑوں کی باتوں کو ذہن میں بٹھا کر اس پر عمل کی فکر اس کا شیوہ ہے، بڑوں سے سن کر فکر آخرت میں گھلنا اس کا شوق بن چکا ہے، تو پھر ترقی کی منازل سے وہ کیوں پیچھے رہے گا، یہی وہ چیزیں تھیں جنہوں نے محمود بھیا کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا، دنیا ان کے نزدیک قید خانہ بن چکی تھی اور آخرت کی فکر میں وہ غرق ہو جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے علمی میدان میں قدم رکھا اور اسی میں غرق ہوگئے، اور تصوف کو اپنا معیار بنا لیا، اور لقاء رب کے شوق میں دنیا کی فکر چھوڑ دی، یہ اللہ کا ایسا بندہ تھا جس کا ہر ہر لمحہ دین کی آبیاری میں گزرتا رہا، اور ہر معاملہ میں دین کو ترجیح دیتے تھے، ابتدائی تعلیم مرکز والی مسجد کچہری روڈ میں حاصل کی، پھر ندوۃ العلماء میں ابتداء درجات کی تعلیم حاصل کی، اپنے نانا مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد رائے بریلی مدرسہ ضیاء العلوم میں تعلیم حاصل کی، پھر وہاں سے ندوہ امتحان دینے آئے، ۱۹۹۰ء میں علمیت سے فراغت کے بعد فضیلت سے فراغت ۱۹۹۲ء میں ہوئی، اس کے بعد معہد دعوت وفکر اسلامی سے فراغت حاصل کی، ان کے ساتھیوں پر نگاہ ڈالی جائے تو بڑے باصلاحیت ساتھی ان کو ملے، ایسے بھی تھے جو علم کے دیوانے تھے، استادوں پر فوقیت لے جانے والے ہم عصروں میں چند ممتاز ترین طالب علموں میں سے تھے، لگتا تھا کہ

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ستاروں پر کمندیں ڈالیں گے، اور زمین کی تہوں سے پانی نکالیں گے، محمود حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا ان میں کوئی شمار نہیں تھا لیکن اس بندۂ خدا کا اخلاص تھا، اس کی والدہ جو پورے خاندان میں نیکی و شرافت میں مشہور تھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ عائشہ بی کی تربیت یافتہ تھی، نہایت صالحہ و پاکباز خاتون تھی، دعاؤں نے اپنا اثر جلدی ہی دکھانا شروع کر دیا اور چند ہی سال کے عرصے میں برادر اکبر کا شمار بڑوں میں اور ممتاز سوانح نگاروں، تاریخ دانوں اور انساب کے ماہرین میں ہونے لگا، بڑے بڑے ماہرین بہت سے معاملات میں ان سے رجوع کرنے لگے اور یہ ایسے چمکے کہ دنیا حیران رہ گئی۔

ندوہ سے مکمل فراغت کے بعد کئی سال تحریکات سے وابستہ رہے، پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوئے، وابستگی کا سبب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی کی والدہ کی یہ نصیحت تھی کہ تم علی (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ کھانا کھایا کرو، کھانا کھانا کیا شروع کیا حضرت مولانا سے وابستہ ہو گئے اور ان کو اپنے دل کے نہاں خانہ میں ایسا بسایا کہ ان کی ایک ایک ادا کو اختیار کرتے گئے اور ان کے خلاف کسی کا عمل دیکھتے تو برانگیختہ ہو جاتے، یہی وجہ تھی ان میں ایسی تبدیلی آئی کہ اس نے ان کی دنیا بدل دی، شروع میں حضرت مولانا کی علمی معاونت کرتے رہے، ان کی تحریروں کے لیے مواد کا اکٹھا کرنا اور حوالہ بات کی تیاری میں لگے رہتے، جس کی بنیاد پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں ان کو ملتی رہتیں اور ان دعاؤں کا اثر برادر اکبر پر ظاہر ہونا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں شروع ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے برادر اکبر اور مولانا بلال حسنی مدظلہ العالی ایسے وابستہ ہوئے کہ ان سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، یہی وجہ تھی جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان دونوں کی دنیا سے رغبت ختم ہو گئی لیکن بزرگوں سے وابستگی کی بنیاد پر کام سے اپنے آپ کو لگایا حضرت شیخ مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے مسلسل رابطہ میں رہے اور اسی طرح شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات اور ان کے مجاز ہونے سے اپنے آپ کو دعوتی سرگرمیوں میں مشغول کیا، پھر اپنی والدہ کے حکم سے اور بزرگوں کے مشورہ سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل طور پر وابستہ ہو گئے اور سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے اور علمی موشگافیوں سے مشغول ہو گئے، پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مجاز بیعت بنایا، لیکن انہوں نے کسی کے سامنے بھی کبھی اس کا اظہار نہ کیا اور تواضع و انکساری کے پیکر بنے رہے۔

ان کے مزاج میں شدت تھی دینی معاملات میں تساہلی کو وہ بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، سخت ناراض ہوتے، کہتے تھے کہ ہمارا مزاج اور مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج ڈانٹنے کا ہے جبکہ اچھے ابا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی) کا اور بلال ماموں کا نرمی کا ہے، یہ لوگ ڈانٹتے نہیں ہیں۔ اسی طرح مختلف لوگوں کو علمی کاموں کے لیے تیار کرنے سے پرہیز نہیں کرتے تھے، ہر ایک کو علمی کاموں سے لگانے کی فکر کرتے، چاہتے تھے کہ ہر شخص صدقہ جاریہ میں لگے، ان کا کہنا تھا کہ دنیا میں بار بار نہیں آنا ہے، لہٰذا تساہلی کو اختیار نہ کیا جائے اور کوئی نہ کوئی ایسا علمی کام آنا چاہیے جو صدقہ جاریہ کا سبب بنے۔

اسی طرح اکرام مسلم کا بڑا خیال تھا، کوئی شخص چاہے وہ کسی کا مہمان ہو، اس کا اکرام کرنا ان کے لیے ضروری تھا، وہ کہتے تھے کہ جو بھی مہمان ہے وہ حضرت مولانا علی میاں ندوی کا ہے اور ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی فکر کریں، اسی طرح گھر کے بچوں کی اصلاح کی فکر میں وہ لگے رہتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کھلانے کا بڑا شوق تھا، عام طور پر جب ندوہ سے گھر آتے تو کچھ نہ کچھ ضرور لے کر آتے تھے، والدین کے ملنے والوں، دوستوں، بہنوں اور بھائیوں کا بڑا خیال کرتے، ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے، حسن سلوک کرتے، صلہ رحمی کرتے، کہیں جاتے تو ان کے ملنے والوں اور رشتہ داروں کو ڈھونڈ کر ملاقات کرتے، بزرگوں کے عاشق تھے، ہر علاقے کے بزرگ سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان سے رابطہ میں رہتے، گھر کے ہمعصروں اور چھوٹے بچوں کو ان سے ملنے کی ترغیب دیتے۔ ہر ہشت پہلو پر ان کی نگاہ رہتی تھی، وقت پر فیصلہ لیتے اور صحیح فیصلہ لیتے اور اگر فیصلے میں کوئی کوتاہی ہو جاتی تو اس کو تسلیم کرتے، اس پر اڑتے نہیں تھے۔

ادھر چند سالوں سے پروٹین کے اخراج کی وجہ سے پیروں میں ورم رہنے لگا تھا جس کی وجہ سے گردوں میں کمزوری آتی گئی، اس کے باوجود وہ اپنے علمی کاموں سے وابستہ رہے اور علمی کام کرتے رہے، ہم نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ کو آرام کرنے کو ڈاکٹر نے کہا ہے آپ اتنی محنت نہ کیجیے، کہنے لگے طبیعت جیسی ہو لیکن کام تو ہو گیا، کام سے ان کو اتنا شغف تھا کہ وہ ان کی زندگی بن چکا تھا، اس کے بغیر وہ رہ نہیں پا رہے تھے، جس کی وجہ سے مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا اور وقت موعود آ گیا، لیکن انہوں نے جو تحریریں چھوڑی ہیں وہ ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، اور ایسی نادر و نایاب تحریریں ہیں جن کی مثال ملنی مشکل ہے، رب العالمین ان کے ایک عمل کو قبول فرمائیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے، علمی کام کرنے والا بنائے اور ہر طرح طرح سے ہم سب کی اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

ایک ملنسار اور قلمکار کا سانحۂ ارتحال

رحمت اللہ ندوی ☆

جمعہ کا دن تھا، ماہ محرم الحرام کی ۱۳ر تاریخ تھی، سن ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲ر اگست ۲۰۲۲ء تھا، دن کے ساڑھے نو بجے تھے، میں چند احباب کے ساتھ ندوہ کینٹین میں تھا کہ اچانک سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ دل خراش، روح فرسا اور جاں گسل خبر ملی کہ ابھی کچھ دیر پہلے مولانا محمود حسن حسنی ندوی اللہ کو پیارے ہوگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم لکھنؤ کے ایک ہسپتال میں کئی ہفتوں سے زیر علاج تھے، آکسیجن کی کمی سے وینٹی لیٹر پر چلے جانے کی بھی تشویش ناک اطلاع ملی، پھر کچھ دن کے بعد معلوم ہوا کہ الحمد للہ طبیعت میں سدھار ہے، اور وہ صحت یابی کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس خبر سے خوشی اور امید کی لہر دوڑ گئی۔

ایک روز قبل مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی کے چند اساتذہ کرام کا ایک وفد عیادت کے لیے آیا تھا، ان سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بھی حالت میں بہتری کی امید افزا خبر دی۔ لیکن یہ وقتی افاقہ اور عارضی بہتری مثل چراغ سحری ثابت ہوئی اور شب گزرتے ہی یہ سانحہ پیش آگیا: ان للّٰہ ما أخذ ولہ ما أعطی، وکل شیء عندہ لأجل مسمّی۔

پتہ چلا کہ ہسپتال سے جنازہ ندوہ آچکا ہے، ہم نے جاکر آخری دیدار کیا، سب رنجور اور غم زدہ تھے۔

مولانا محمود حسن واقعی اسم بامسمی یعنی قابلِ تعریف اور لائق ستائش تھے، اور 'حسن' کی نسبت نے ان میں 'حسن' یعنی خوبی پیدا کردی تھی۔

مجھے مولانا مرحوم سے تعارف اس وقت حاصل ہوا جب وہ فراغت کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور میں استاد ہوگئے تھے اور میں وہاں آخری درجات کا طالب علم تھا، وہ میرے استاد نہیں تھے، لیکن میرے درجہ کے ایک ساتھی برادرم محمد غزالی ندوی علیہ الرحمہ ان سے مربوط تھے، مرحوم بھی ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، ظہر بعد وہ خود 'دار عرفات' کی لائبریری میں مطالعہ اور تالیف میں منہمک اور مصروف رہتے اور غزالی مرحوم کو بھی اپنے ساتھ مشغول رکھتے، ان کی مکمل نگرانی، پوری رہنمائی اور سرپرستی کرتے، اس شفقت اور خصوصی توجہ کی وجہ بعد میں معلوم ہوئی کہ محمد غزالی مرحوم کے ایک ماموں مولانا محمود حسن حسنی مرحوم کے درسی ساتھی ہیں اور دیگر افراد خاندان سے بھی تعلق ہے، جس کی وہ پاسداری کررہے ہیں، اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کو تعلق کی پاسداری اور رشتہ نبھانے کا کتنا خیال اور اہتمام تھا۔

اس میں کوئی شبہ یا دو رائے نہیں کہ غزالی مرحوم کی تحریری اور تقریری صلاحیت کو نکھارنے، ان کے مطالعہ میں وسعت پیدا کرنے، اور صلاحیت کو پروان چڑھانے میں مولانا محمود حسن حسنی کا بڑا کردار ہے، اس کی قدر اور اعتراف محمد غزالی مرحوم کو بھی تھا۔ ہم جب بھی مرحوم حسنی سے ملتے تو اپنی علمی اور تالیفی سرگرمیوں کے بارے میں بتاتے، اور کتابوں کے مطالعہ کا نچوڑ بیان کرتے۔

ان کو پڑھنے لکھنے کا چسکا لگ گیا تھا، یا یوں کہہ لیں کہ لت پڑ گئی تھی، یا یہ کہیے کہ مطالعہ ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی، وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے، یا ان کی زندگی کا بغیر مطالعہ اور تحریر کے تصور نہیں تھا، لکھنا پڑھنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہ واقعی 'پڑھے لکھے' یا 'لکھے پڑھے' تھے، ان کا قلم بہت سیال تھا اور وہ بہت زود نویس تھے، جن موضوعات پر مواد کی کمی کے سبب عام قلم کاروں کے لیے چند صفحات لکھنا ناممکن ہوتا، وہ پوری کتاب تیار کردیتے، ایسا خاکہ تیار کرتے کہ کتاب ضخیم ہوجاتی، اور ایسی ایسی جگہوں سے مواد ڈھونڈ نکالتے جہاں خیال بھی نہ جاتا۔

وہ قیلولہ سے ناآشنا تھے، اس وقت اگر ملنے والا ہوتا تو اس سے ملتے ورنہ مطالعہ اور تالیف میں مصروف رہتے، رات میں دیر تک یہی مصروفیت رہتی، لیکن اپنی کم خوابی اور علمی ہجوم، سفر کی کثرت، حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی علمی کاموں میں معاونت اور خدمت، مہمانوں اور ملنے جلنے والوں سے ملاقات اور گفتگو کے باوجود نماز باجماعت، ذکر واذکار، اور تلاوت کے معمولات اور اہتمام میں کوئی کوتاہی نہ ہوتی۔

حیرت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام کاموں کو کیسے جمع اور پابندی سے ادا کرلیتے تھے۔ کئی سال قبل جب ان کی طبیعت بگڑی تھی اور پھر صحت یاب ہوگئے تھے، تو چونکہ مجھ سے بے تکلف اور کھلے ہوئے تھے، اس لیے میں کہا کہ آپ نیند پوری نہیں کرتے، نیند پوری کیا کریں اور ظہر بعد کچھ دیر قیلولہ بھی کریں، اس پر وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہتے کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، ان شاء اللہ اس کا خیال رکھوں گا، لیکن عادت سے مجبور تھے، اس مشورے پر عمل کی نہ ان کے پاس فرصت تھی، اور نہ اس کی نوبت آئی۔

وہ بیماری کے ایام میں بھی جب تک لکھنے پڑھنے کی سکت رہی، خیر خواہوں اور تیمارداروں کے منع کرنے پر بھی باز نہ آتے، بس لحاظ میں تھوڑی دیر رک جاتے۔

☆ استاذ فقہ وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ان کے سیال قلم اور زود نویسی کا جو حال تھا، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ میرے رفیقِ درس برادرم مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے جب اپنا ماہنامہ 'نقوش اسلام' نکالنا شروع کیا تو مرحوم کو بھی مجلس ادارت میں شامل کیا، مرحوم پابندی سے رسالہ کے لیے مضمون لکھتے جو اہتمام سے شائع ہوتے، شاید ہی کوئی شمارہ ان کے مضمون سے خالی ہو۔ ایک بار برادرم عزیزی رائے بریلی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، مدرسہ ضیاء العلوم کی مسجد کے پاس ساتھ چلتے ہوئے اپنے ماہنامہ کے آئندہ شمارہ کے لیے مضمون کی فرمائش کردی، پھر کیا تھا وہیں سڑک پر کھڑے کھڑے مضمون نویسی شروع کردی اور مختصر وقت میں تین چار صفحات کا مضمون تیار کرکے بروقت دے دیا، اور کہا کہ اتنا کافی ہے یا اور لکھ دوں؟

ایک نوجوان ندوی نے مجھ سے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار میں مولانا محمود حسن حسنی ندوی سے ملنے گیا، اس وقت وہ کسی کتاب پر مقدمہ لکھ رہے تھے، ایک صفحہ لکھ کر مجھے پڑھنے کے لیے دیا، ابھی میں پڑھ کر فارغ بھی نہ ہوسکا تھا کہ دوسرا صفحہ لکھ کر دیدیا۔ ان دونوں واقعات سے ان کی زود نویسی کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

بہت تیز لکھتے تھے لیکن خوش خط تھے، ان کی تحریر ہر ایک آسانی سے پڑھ لیتا، لکھتے جاتے، کاٹ پیٹ کی نوبت کم آتی، البتہ کمپوزنگ کے بعد جتنی بار پروف دیکھتے تو کتابت کی تصحیح کے بعد جابجا اضافے کرتے جاتے، جس سے بسا اوقات کمپوزر پریشان ہوجاتے۔

مولانا محمود حسن حسنی ندوی تاریخ اور سیرت و سوانح کے موضوع سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، ان کی تمام تالیفات اسی موضوع پر ہیں، مستقل اشتغال اور مزاولت کی وجہ سے ان کو اس فن سے مناسبت اور اس میں مہارت حاصل ہوگئی تھی، اور تاریخ وسنین اور احوال و واقعات مستحضر ہوگئے تھے، جب کہ تاریخ ایک خشک موضوع ہے، اسی لیے اس میں مہارت اور دلچسپی خال خال لوگوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

مرحوم بحرِ علم کے غواص اور شناور تھے، غواصی کے ذریعہ قیمتی لعل وگہر نکالتے اور نگینوں کی طرح اپنی کتابوں میں جڑ دیتے، جس سے تحریر دلکش، دلچسپ، اور معلومات سے پر ہوجاتی۔ علم وتحقیق اور فکر ونظر میں بسا اوقات وہ ایسا کھو جاتے کہ کئی بار سلام کرنے بعد متوجہ ہوتے، اور کبھی دور سے سلام میں پہل کرتے، اور آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے مصافحہ کرتے، اور خیریت دریافت کرتے۔ ان کا تعلق اکابرین، معاصرین، اور اصاغرین سب سے تھا، ہر ایک سے اچھی طرح پیش آتے، اور سب سے تعلق نبھاتے، یہ ان کی ہمت اور بڑکپن کی بات تھی، ورنہ عام طور پر نئے تعلقات، پرانے تعلقات پر اثر انداز ہوجاتے، اور نئے جب یار ملتے ہیں، پرانے بھول جاتے ہیں۔

ان سے عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے موقع پر ندوہ میں آخری ملاقات کلیۃ اللغہ بلڈنگ کے پاس اس وقت ہوئی تھی، جب میں مغرب بعد چند مہمانوں کو ندوہ کی زیارت اور تعارف کراتے ہوئے کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ان کی گاڑی بہت آہستہ آہستہ میرے پاس سے گزری، اگرچہ گاڑی کچھ آگے بڑھ گئی تھی، لیکن جیسے ہی میری نظر ان پر پڑی، میں نے ملاقات اور خیریت معلوم کرنے کے لیے اشارہ سے گاڑی رکوائی اور آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی، وہ میرا ہاتھ تھامے رہے اور اپنی خیریت بتاتے اور سناتے رہے، یہ بھی بتایا کہ کل تبدیلی آب وہوا کے لیے چندی گڑھ جاؤں گا، اس کا بھی صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ کیا خبر تھی کہ یہی آخری ملاقات ثابت ہوگی، اور پھر وہ یہ کہتے ہوئے ہم سے رخصت ہوجائیں گے کہ:

ڈھونڈوگے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مرحوم کے ساتھ ایک بار بیاپور رائے بریلی کے جلسہ میں شرکت کا موقع ملا، مولانا عبداللہ حسنی ندوی علیہ الرحمہ کا وہاں کے ایک مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں خطاب تھا، واپسی میں ہم نریش ہوٹل پر رکے، مولانا محمود حسن حسنی اور ہم اتر کر اندر گئے، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم اور ان کا ہم نام خادم گاڑی ہی میں بیٹھے رہے، چاٹ اور پانی کی بوتل لاکر گاڑی میں دیا، اور ہم دونوں نے اندر ہی کھالیا، مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم نے مجھے پانچ سو کا نوٹ دیا کہ جاکر سب کا بل ادا کردو، میرے پہنچنے سے پہلے ہی مولانا محمود حسن حسنی ندوی بل کی ادائیگی کرچکے تھے، مجھ سے کہا جاکر روپے واپس کردیجیے، میں نے کہا کہیں مولانا ناراض نہ ہوں، انھوں نے فرمایا کہ کہہ دیجیے کہ محمود نے ادا کردیا، اس واقعہ سے ان کے جذبۂ خدمت، انفاق وضیافت اور سخاوت کا اندازہ کیا جاسکتا۔

۲۰۱۶ء میں جامعہ امامہ للبنات، سمریاواں میں سالانہ پروگرام اور اس موقع پر اس کے جواں مرگ بانی حافظ محمد امتیاز ندوی پر مرتب کتاب 'محفل دوستاں' مرتبہ مولانا کفیل احمد ندوی کا اجراء تھا، ناظم ندوہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کو شرکت کرنی تھی، لیکن طبیعت سازگار نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنی نمائندگی کے لیے مولانا محمود حسن حسنی مرحوم کو بھیج دیا، موصوف نے کتاب پر حضرت کا تحریر کردہ مقدمہ پڑھ سنایا اور بزرگوں کے اقوال واحوال کی روشنی میں موقع ومحل کی مناسبت سے اچھی گفتگو کی، وہاں سے واپسی میں اودھ کلارک ہوٹل کے پاس اتر گئے، مولانا کفیل احمد ندوی نے بہت اصرار کیا کہ آپ کو خاتون منزل تک چھوڑ دیتے ہیں، لیکن وہ آمادہ نہ

ہوئے، اور کہتے رہے کہ ہم چلے جائیں گے، شاید ان کے پیش نظر یہ رہا ہو کہ میرے علاوہ تمام احباب ندوہ جانے والے ہیں، کہیں ان کو دیر نہ ہو جائے:

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مرحوم اگرچہ علم وعمل، فضل وکمال، عمر ہر اعتبار سے بڑے اور بڑھے تھے میں ان کے پاسنگ برابر بھی نہیں، لیکن یہ انکا اخلاص، اخلاق، بڑکپن، اور تواضع وانکساری تھی کہ مجھ سے دوستانہ وبرادرانہ تعلق رکھتے تھے۔ جب کوئی نئی کتاب منظر عام پر آتی تو ملاقات پر مبارک باد دیتا، اور چھیڑنے کے لیے کتاب کے نسخہ کا مطالعہ کرتا، وہ مسکراتے اور جی جی کہتے۔

بہر حال! وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اور ان میں کئی امتیازی اوصاف تھے، عمر اتنی ہی لے کر آئے تھے، لیکن اس کا خوب استعمال کیا اسی وجہ سے بہت اہم کام اور خدمات انجام دے گئے، اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائے۔

مرحوم کی پہلی نماز جنازہ ندوہ میں جمعہ کے بعد ایک جم غفیر نے حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم کی اقتداء میں ادا کی، جس میں لکھنؤ اور اس کے اطراف سے مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور اہل تعلق نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی۔

دوسری نماز تکیہ کلاں رائے بریلی میں عصر بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوہ العلماء لکھنؤ کی اقتداء میں ہوئی، اور وہیں خاندانی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کی خدمات وحسنات قبول فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی کی
جدید و دیدہ زیب مطبوعات

حق وباطل کی کشمکش - سورۂ کہف کی روشنی میں

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

سورۂ کہف کی جامع تفسیر، قرآن سے شغف اور عربی زبان وادب کے خاص ذوق کی غماز!
الفاظ ومعانی کی دل کش پیرایہ میں تشریح وتطبیق، خواص وعوام دونوں کے لیے یکساں مفید!

صفحات: ۲۲۴ قیمت: ۲۰۰

ایثار کیا ہے؟

از: مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب ''تہذیب الاخلاق'' کے ''باب الإیثار والمؤاساۃ'' کا درس!
خود غرضی ومادیت کے دور میں ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے ایک مؤثر رسالہ!
طلبہ وعلماء اور عوام سب کے لیے ایک بہترین تحفہ!

صفحات: ۵۶ قیمت: ۴۰

حلال کمائی اور اس کے ذرائع

از: مفتی راشد حسین ندوی

موجودہ حالات کے تناظر میں حلال کمائی اور اس کے ذرائع پر سیر حاصل بحث!
جدید مسائل پر فقہی بصیرت کے ساتھ معتدلانہ کلام اور شرعی نقطہ نظر کی وضاحت!
طلبہ اور فقہی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین سوغات!

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۱۰۰

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی (موبائل 9919331295)

نوٹ: یہ کتابیں لکھنؤ کے سبھی مکتبوں میں دستیاب ہیں۔

ایک باکردار و علمی شخصیت

محمد فرمان ندوی ☆

مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ (۱۹۷۱ء-۲۰۲۲ء) کی وفات سے علمی اور دینی حلقوں میں ایک خلا محسوس کیا گیا ہے، کیونکہ وہ بجا طور پر اعلیٰ خوبیوں کے حامل تھے، وہ خانوادۂ علم الٰہی کی امانتوں کے امین، تاریخی معلومات کا گنج گراں مایہ، زود نویسی اور بسیار نویسی میں سبقت کرنے والے تھے، زہد و قناعت، صبر و استقامت اور توکل علی اللہ تو ان کی پہچان تھی ہی، وہ ہر دم رواں اور دواں مزاج رکھنے والے فرد تھے، حیات، حرکت، حرارت ان کی حیات مستعار کے تین عناصر تھے، کسی لمحہ بیکار بیٹھنا ان کو گوارا نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مختصر میں متنوع کام لیے، وہ ان شاء اللہ ان کے لیے صدقہ جاریہ ہوں گے۔

مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ کی خوبیوں اور صفات پر اہل قلم اور اہل تعلق نے لکھا ہے، اور خوب لکھا ہے، میں نے ان کو سب سے پہلے تکیہ کلاں رائے بریلی کی خانقاہ میں عصر کی نماز کے بعد رمضان المبارک میں دیکھا، اس وقت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ با حیات تھے، مولانا محمود حسنی ندوی فضائل اعمال مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے باب فضائل رمضان کی تعلیم کرتے تھے، یہ تعلیم ٹھہراؤ اور اچھی پیش کش کا آئینہ دار تھی، وہ ذکر جہری کے قائل تھے، تعلیم کے بعد اس کا ذکر جہری شروع ہو جاتا اور ذکر کرتے وقت اس میں غرق جاتے تھے، یہی ان کا حال تھا، اس سے ایک سماں بندھ جاتا تھا، دوسرے لوگ بھی اس ادا کی نقل کرتے تھے، اور دعا و مناجات میں مشغول رہتے تھے، انہوں نے ایک مرتبہ خود ہی بتایا کہ معمولات کو پورا کرنا ضروری ہے، جس طرح جسم کی خوراک ہوتی ہے، اور اس خوراک کے نہ کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے، اسی طرح روح کی خوراک ہوتی ہے، اس کو استعمال نہ کرنے سے روح بے جان ہو جاتی ہے، اور جب معمولات پورے ہوتے رہتے ہیں تو انسان اللہ تعالیٰ کے حصار میں ہوتا ہے، اور شیطان کے مکر و فریب سے اس کی حفاظت ہوتی ہے، اور وہ معمولات فتنوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، گویا وہ کہنا چاہتے تھے:

اللہ اللہ ہے تو یارو جان ہے
ورنہ یارو! جان بھی بے جان ہے

مولانا محمود حسنی ندوی رمضان میں تکیہ آنے والے مہمانوں کا استقبال والہانہ انداز میں کرتے تھے اور ان کو اس جگہ کی تاریخ سے واقف کراتے، خاص طور سے قریۃ الصالحین تکیہ کلاں میں جب سال کے اخیر میں فضیلت کے طلباء حضرت مولانا سے استفادہ کے لیے جمع ہوتے اور کئی روزہ قیام ہوتا تو مولانا تکیہ کے علماء، مشائخ، مجاہدین اور داعیان حق کی مکمل تاریخ اختصار کے ساتھ بیان کرتے، ان کو ماہ و سال کا بڑا استحضار تھے، وہ اپنی یادداشت سے دسیوں مشائخ و علماء کے سنین وفات بآسانی بتا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ ذوق آپ کے اندر کیسے پیدا ہوا؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا نے ایک مرتبہ مجھے نصیحت کی کہ محمود! میری کتابوں کو تم کئی کئی بار پڑھو، اس طرح انہوں نے حضرت مولانا کی نصیحت پر عمل کیا اور ان کی کتابوں کے علوم کو پی گئے، پھر کیا تھا کہ سارے حوادث و واقعات ان کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہو گئے، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور کے جو طلباء ان سے درجہ میں پڑھ چکے تھے وہ بھی مولانا علیہ الرحمہ کی تاریخ دانی کے بارے میں بتاتے کہ وہ بغیر کسی نوٹ کے تاریخی واقعات کو بیان کرتے ہیں، جن میں سہو اور غلطی کا امکان نہیں ہوتا تھا۔

مولانا محمود حسن حسنی ندوی کی کتابیں تو متعدد ہیں، اور ان کی کتابوں میں تاریخ اصلاح و تربیت وہ عظیم سرمایہ ہے، جس کو وہ دس جلدوں میں تیار کرنا چاہتے تھے، اس کے علاوہ انہوں نے متعدد شخصیات کی سوانح لکھی اور اس میں اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا، اسی کے ساتھ ان کے اندر اپنے بڑوں اور بزرگوں کے علمی آثار کو منظر عام پر لانے کا بڑا جذبہ تھا، انہوں نے اپنے نانا حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کے دیوان (میزاب رحمت) کو منظر عام پر لانے میں بڑی کوشش صرف کی، ماشاء اللہ وہ دیوان سید احمد شہید اکیڈمی سے شائع ہو گیا ہے، تحقیق و تعلیق میں ان کو مہارت تھی، مکاتیب مفکر اسلام کے سلسلہ میں ان کی فکر مندی قابل تعریف تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی خود نوشت سوانح (اوراق زندگی) کے سلسلہ میں انہوں نے دن رات ایک کر دیا، اور لاک

☆ استاذ تفسیر و ادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ڈاؤن کے زمانہ کو کارآمد بنایا، مجھ سے کئی بار کہا کہ بڑوں کے کام کرنے میں بڑی برکت ہے، بحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ان کی دلچسپی سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے علمی کاموں میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی، ندوۃ العلماء میں عشاء کی نماز کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی مجالس ہوتی ہیں، بحمد اللہ مجھے ان میں حاضری کی توفیق حاصل ہے، ان کو میں نوٹ کرتا رہتا ہوں، جب اس کے کچھ حصوں کی طباعت کا مرحلہ آیا تو میں نے ان سے اس مجموعہ پر ایک نظر ڈالنے کی درخواست کی، انہوں نے خوشی خوشی قبول کیا، اور پوری کتاب پر ایک نظر ڈالی، وہ کتاب ''افادات علم وحکمت'' کے نام سے مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء سے برادرم مولانا نجیب الحسن ندوی کے اہتمام میں شائع ہوگئی ہے، اسی طرح حضرت مولاناؒ کی کئی خطابات اور تقریروں کو ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے کے لیے مجھے دیا، اور ان کو نظر ثانی کے بعد 'تعمیر حیات' اور دیگر رسالوں میں شائع کرایا، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء) کا ایک مضمون جو دعا و مناجات پر تھا، انہوں نے سہ ماہی' کاروان ادب' لکھنؤ میں پڑھا تو ان کو پسند آیا، پھر انہوں نے اسے مجھے ایک رسالہ میں شائع کرنے کا مشورہ دیا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے مقدمہ بھی تحریر کرادیا، بحمد اللہ وہ مسنون دعائیں کے نام سے (فنار پاور، مالک ناصر الندوی بن مولانا تقی الدین ندوی) سے شائع ہوا، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نوجوان اساتذہ میں کئی ایسے ہیں، جن کی وہ علمی سرپرستی کرتے اور علمی کام کرنے پر ابھارتے، فضائل اعمال مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث میں جن رسالوں کا ترجمہ ہوگیا تھا، ان کو ایڈٹ کرنے اور جن کا نہیں ہوا تھا، ان کا ترجمہ کرنے کا مشورہ انہوں نے دار العلوم کے استاذ حدیث مولانا عبد الرشید ندوی کو دیا، اور برابر پیروی کرتے رہے، ماشاء اللہ وہ کتاب تحقیق و ترجمہ سے آراستہ ہوکر کئی سال پہلے شائع ہوگئی، طلباء خواہ دار العلوم کے ہوں یا کسی دوسرے ادارہ کے، ان کے وہ تو محسن تھے، ان کو مشورے دیتے، مضامین لکھواتے اور ان کی تربیت میں کوئی کمی نہیں رکھتے۔

راقم الحروف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص رہا کہ اس نے مولانا محمود حسن حسنی ندوی کے ساتھ ۲۰۱۸ء میں شاہی دعوت پر حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی، یہ حج میرا پہلا حج تھا، (اور حج تو کسی کی رہنمائی میں ہونا چاہیے، مجھے تو بحمد اللہ عمرہ کی سعادت ۲۰۱۳ء میں ایک مخلص تجربہ کار ندوی کی معیت میں حاصل ہوچکی تھی)، مولانا محمود حسنی ندوی اس سے پہلے کئی حج کر چکے تھے، ان کو اپنے خاندان کے بڑوں کے ساتھ حج کرنے کا موقع ملا تھا، سفر حج شروع کرنے سے پہلے انہوں نے ایک عمومی تذکرہ میں کہا کہ یہ سفر بہت مبارک اور مقدس ہے، اس میں جو کچھ خرچ ہوجائے، اس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بھرپور بدلہ ملے گا، اس لیے اس سلسلہ میں خرچ کرنے میں کمی نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح انہوں نے دوران حج پیش آنے والی غلطیوں کی نشاندہی کی، اور محتاط رہنے کی تلقین کی، خاص طور سے وہ ایام حج کو صحیح معنوں میں عبادت و ریاضت میں صرف کرتے رہے، ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، اس کے باوجود وہ عبادت کے لیے تیار رہتے، جب بھی وضو یا غسل کرتے اور مکروہ وقت نہ ہوتا تو دو رکعت نفل ضرور پڑھتے، ذکر و اذکار سے خاص مناسبت تھی، اس دوران اس میں اضافہ ہوگیا، تلاوت اور یگر معمولات میں وقت گذارتے۔ مزدلفہ سے منیٰ آنے میں ہم لوگ راستہ بھٹک گئے اور کئی گھنٹے اس میں صرف ہوئے، لیکن ان کی زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں آیا، وہ صبر و ضبط کے ساتھ ذکر و تسبیح میں مشغول رہے، میدانِ عرفات میں ان کی دعا و ابتہال قابل دید تھی، طویل دعا اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ یہ انہی کی صفت تھی، جو اس سفر میں ہمارے لیے نمونہ ثابت ہوئی۔

مدینہ منورہ کے سفر میں درود پاک کا ورد زبان پر تھا، ایک اہم بات جو میں مولانا محمود حسن حسنی ندوی کے اندر اس سفر میں دیکھی اور وہ عام طور پر کم یاب ہے یہ کہ وہ اس سفر میں اپنی وسعت کے مطابق اہل تعلق اور دیگر لوگوں کو نقد ہدیہ بھی دیتے رہے، اس طرح اہل مکہ و مدینہ پر خرچ کرنے کا ثواب بھی حاصل کیا، بڑے مشائخ اور علماء کو خاموشی سے ریال کی شکل میں ہدیہ دیتے اور اپنی نیازمندی کا ثبوت پیش کرتے، سفر پر جاتے وقت دعاؤں کا اہتمام اور آتے وقت دعاؤں کا اہتمام رہا، اس قدر گریہ وزاری اور توجہ الی اللہ، یہ مولانا محمود حسن حسنی کی حسنات میں ہیں، بلاشبہ یہ ان کا آخری حج تھا اور ان کے معمولات کے عینی شاہد ہونے کی وجہ سے اللہ سے توقع رکھتا ہوں کہ یہ حج مبرور ہوگا۔ غفر اللّٰہ له و أغدق عليه شآبيب رحمته۔

مولانا محمود حسنی حسنی ندوی نے ایک دن خاص کیفیت میں مجھ سے کہا کہ آج میں آپ کو

ایسی دعا بتاتا ہوں، جو محدث جلیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے مجھے از راہِ شفقت بتائی تھی، اور وہ دعا بڑی جامع ہے، اس میں اپنے لیے، والدین کے لیے اور تمام محسنین کے لیے دعائیہ الفاظ ہیں، وہ دعا یہ ہے کہ: رب اغفر لی ولوالدی ولمن لہ علیّ حق (اے میرے رب! مجھے معاف کردے، میرے والدین کو معاف کردے، اور جس جس کا میرے اوپر حق ہے، اس کو بھی معاف کردے)، یقیناً یہ دعا ایسی ہے کہ اس میں سارے اہل تعلق کے حقوق کا احاطہ کیا گیا ہے، میں نے اسی وقت اپنے معمول میں شامل کرلیا، آج جب کہ وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کی یہ روحانی سوغات طلباء و اساتذہ اور عام لوگوں کے حوالہ ہے۔

مطاف میں جب ہم طواف کررہے تھے تو انہوں نے ایک دعا بتائی کہ یہ دعا مانگئے: اللّٰھم کن لنا و اجعلنا لك (اے اللہ! آپ ہمارے ہو جائے اور ہم کو اپنا بنا لیجیے)، اسی طرح ایک دوسرے موقع پر سنن ترمذی (۲۵۲۶) کی یہ حدیث سنائی، جس کے مدلولات صحیح معنوں میں ہمارے معاشرہ میں پائے جاتے ہیں: ثلاث لازمات لأمتی: الطیرۃ والحسد وسوء الظن فقال رجل: فما یذھبھن یا رسول اللّٰہ ممن کن فیہ؟ قال: اذا حسدت فاستغفر، واذا ظننت فلا تحقق، و اذا تطیرت فأمضہ (تین باتیں میری امت کے افراد کے ساتھ وابستہ ہیں: برا شگون، حسد اور بدگمانی، ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! ان کا علاج کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حسد کا مادہ پیدا ہو تو استغفار کرو، اور جب بدگمانی ہو تو اس پر یقین نہ کرو، اور جب برے شگون کا جذبہ پیدا ہو تو کام کو کر گذرو)۔

مولانا محمود حسنی باطنی اور ظاہری امراض سے کوسوں دور تھے، ان کا دل شفاف آئینہ کی طرح تھا، دوسروں کی غیبت اور طعنہ زنی کے ذریعہ وہ اس کو گندا کرنا نہیں چاہتے تھے، ایک مرتبہ ایک مجلس میں یہ گفتگو ہورہی تھی کہ اگر کسی انسان نے کسی شخص کی غیبت کرلی تو غیبت کی معافی کیسے مانگے، کیونکہ یہ گناہ بغیر اس سے معافی مانگے معاف نہیں ہوسکتا، اس سلسلہ میں ایک صاحب نے کہا کہ اگر جس نے کسی کی غیبت کی ہے وہ اس کے پاس کبھی جائے اور کہے کہ بھائی میں آپ کی شان میں بہت گستاخی کرتا رہتا ہوں، آپ مجھے معاف کردیجیے، وہ اگر صرف کہہ دے کہ کوئی بات نہیں، تو گویا کہ اس نے معاف کردیا، اس موقع پر مولانا محمود حسن حسنی نے بتایا کہ اگر کسی نے کسی کی غیبت کی ہے تو وہ اس کے لیے کثرت سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی غیبت کو معاف کردیں گے، اور اس شخص کو توفیق دیں گے کہ وہ بھی معاف کردے۔

ایسی باکردار شخصیت کا ہر عمل خواص اور عوام دونوں کے لیے نمونہ ہے، وہ زندگی میں قابل ستائش رہے اور انتقال کے بعد تو بعض ان کی ایسی خوبیاں سامنے آئیں، جو زندگی میں مستور تھیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے طالب علم مولوی سید نقیب بن نورالامین ایس کے (سید کاظمی) ساکن بھٹکل کا ۱۶ر اکتوبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار انتقال ہوگیا، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون.

مولوی سید نقیب ۷ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو جنوب ہند کی ریاست کرناٹک کے شہر بھٹکل کے سادات اور شریف گھرانے میں پیدا ہوئے، مرحوم بڑے خوش مزاج، ہنس مکھ، تین بہنوں کے اکلوتے بھائی، اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں یکساں مقبول اور بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، ابتدائی تعلیم شہر بھٹکل میں قائم مکاتب میں ایک مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور علیا درجہ میں داخلہ کے لیے عالمی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا، پہلا سال آن لائن تعلیم حاصل کی اور اب علیا ثانیہ شریعہ حدیث میں زیر تعلیم تھے، تعطیلات عیدالاضحیٰ سے واپسی پر دردسر کا شکار ہوئے، علاج معالجہ جاری تھا کہ تعطیلات ششماہی کا اعلان آگیا، طبیعت کچھ بحال ہوگئی تھی، جس کے زیر اثر اپنے رفقاء کے ہمراہ گھر جانے کے بجائے چند دن سیر وتفریح کے لیے شمالی ہندوستان کے بعض مقامات کا قصد کیا، وہیں ایک دو دن بعد طبیعت کچھ بگڑ گئی، پھر مقامی اسپتال میں ایڈمٹ کیا گیا، لیکن یہاں (چنڈی گڑھ اور دہلی) کے ڈاکٹرس مایوس ہوگئے، تو اہل خانہ کی ایماء پر بذریعہ انبولینس آبائی شہر بھٹکل کے قریب لایا جارہا تھا کہ راستے ہی میں انتقال ہوگیا، جنازہ بھٹکل لایا گیا اور ایک جم غفیر نے نماز جنازہ اور تدفین وغیرہ میں شرکت کی، اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

معارف، تزکیہ اور قلم کا ایک حسین پیکر

محمد نفیس خاں ندوی ☆

انسان کی عظمت و بلندی اور اس کی محبوبیت کی تین علامتیں بیان گئی ہیں؛ کردار کی بلندی و پاکیزگی کہ وہ مستحق تقلید اور قابل اعتراف ہو۔ تحریر کی دلکشی و رعنائی کہ وہ شوق مطالعہ کو مہمیز کرے اور علم و عمل کی فراوانی کہ ابر رحمت بن کر زندگیوں پر چھا جائے۔ جو عظیم ہستیاں اس معیار پر کھری اترتی ہیں ان میں ایک روشن نام مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ کا بھی ہے۔

مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ ایک ہمہ رنگ و ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، اگر کوئی ان کی ہشت پہل شخصیت کو ایک فقرہ میں بیان کرنا چاہے تو ناگاہ اس کی نظر قوس وقزح کے نظارے میں کھو جائے گی؛ مذہب واخلاق، تاریخ و تصوف، اوراد و سلوک اور سیرت وسوانح کے متوازن خمیر سے ان کی شخصیت کی تعمیر ہوئی تھی۔ انھوں نے قرطاس ابیض پر اپنی جودت طبع، ذہانت وفطانت اور دینی وتاریخی ذوق سے ایسے نقش ونگار بنائے جو جاوداں ہوگئے، یہی وجہ ہے کہ ان کے شخصی محاسن اور علمی وادبی خدمات کو نہ صرف زندگی میں سراہا گیا بلکہ موت کے بعد بھی خراج تحسین کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا مرحوم کا اولین چشمۂ فیض خود ان کا خاندان ہے جو دورِ شاہ جہانی کے بزرگ قطب الاقطاب حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کی جانب منسوب ہے، جس کے بعض افراد سلاطین کے درباروں میں تو بعض فقر وتصوف کی خانقاہوں میں ممتاز تھے، بعض درس وتدریس کی چٹائیوں پر اور بعض تصنیف وتالیف کی کی مسندوں پر جلوہ آرا تھے، اس خاندان کی علمی ودعوتی سرگرمیاں صدیوں سے قدر واعتبار کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہی ہیں اور آج بھی یہاں کے کہنہ مشق علماء و دانشوران اور جواں سال اصحاب دانش وبینش کی علمی کاوشیں دنیا بھر میں لوگوں کو فائدہ پہنچا رہی ہیں، مولانا اسی خانوادۂ علم وعمل کے چشم وچراغ تھے۔ خاندان کی ادب پرور فضا، علماء وصلحاء کے علمی ورحانی مشاغل اور باطنی علوم کا مطالعہ ایسے عوامل تھے جنھوں نے مولانا کی جوہر خداداد کو نکھارنے اور سنوارنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

روایتی مکتب پھر خاندانی مدرسۂ ضیاء العلوم میں ابتدائی تعلیمی مراحل پورے ہوئے بعد ازاں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے علوم شرعیہ کی تکمیل کی اور علوم حدیث میں اختصاص پیدا کیا۔ قلم وقرطاس سے ان کا رشتہ بہت قدیم ومضبوط اور خاندانی تھا، سرزمین ہند کی مردم ساز شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی گود میں وہ پلے بڑھے تھے، ان کی کیمیا اثر صحبت اور بے مثال تربیت نے جہاں ان کی قلمی صلاحیتوں کو جلا بخشی، وہیں ان کے زرخیز ذہن کی فکری آبیاری بھی کی، چنانچہ دوران تعلیم ہی مولانا نے اپنا تحریری سفر بھی شروع کردیا تھا، پابندی سے ڈائریاں لکھتے اور ہر چھوٹی بڑی، ضروری وغیر ضروری باتیں محفوظ کر لیتے، ممکن ہے اس وقت یہ ڈائریاں ناقابل التفات سمجھی جاتی رہی ہوں، لیکن اہل قرابت جانتے ہیں کہ بعد کے دنوں میں نہ جانے کتنے اہل قلم نے انہیں ڈائریوں سے خام مواد حاصل کیا ہے! مولانا تحفے میں بھی ہم شاگردوں کو ڈائری ہی دیا کرتے تھے، اور اس کے اہتمام کی تلقین کرتے تھے۔ کہا کرتے کہ ڈائری پابندی سے لکھا کرو، بڑے بڑے اہل قلم نے اپنا تحریری سفر اسی طرح شروع کیا ہے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد جب آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا تو قلم بردار تھے، مختلف رسائل جرائد میں مضامین شائع ہونے لگے تھے، اور ایک منجھے ہوئے مضمون نگار کی حیثیت سے متعارف ہو چکے تھے۔

مولانا کو لکھنے کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ باتیں بھی کرتے جاتے اور لکھتے بھی جاتے، چائے کی پیالی ہاتھ میں ہوتی، چسکی پہ چسکی لیتے اور لکھتے جاتے، کبھی بیچ میں کچھ عرض بھی کردیتے، جو لکھتے وہ حاضرین کو بھی سناتے جاتے، اس طرح ایک ہی مجلس میں کئی کئی کام ایک ساتھ ہوتے۔

نثر لکھنا ان کے لیے اتنا ہی آسان تھا جتنا آبشار کے لیے بہنا، بے تکان اور بے تکلف لکھتے اور ہمیشہ قلم برداشتہ لکھتے، نہ جگہ کی پابندی نہ وقت کی قید، نہ کوئی دفتر نہ میز کرسی، چلتے پھرتے بھی لکھتے، بس وٹرین میں بھی لکھتے، دن کے کسی بھی پہر، رات کے کسی بھی لمحہ وہ لکھنے پڑھنے کے لیے مستعد رہتے، یہی ان کا مشغلہ تھا اور یہی ان کی طبیعت تھی، ذہن نہایت صاف تھا، اول ہی وہلہ میں بے کج وپیچ حقیقت کی منزل مقصود تک پہنچ جاتے، تیز نظر مسائل ومشکلات کے حل میں ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا تھا، دماغ اتنا سلجھا تھا کہ کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو اس کی اصل تہہ تک پہنچ جاتے، اگر مناظرہ

☆ رفیق دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

پر اتر آتے تو کیسی ہی غلط بات ہو اس کی ایسی عمدہ عمدہ دلیلیں پیش کرتے سامنے والا ساکت ہو جاتا اور یقین کر لیتا کہ یہی مولانا کی اصل رائے ہے مگر کچھ ہی وقفہ بات اس کو حقیقت سمجھا دیتے۔

حافظہ بلا کا ملا تھا، طویل طویل مضامین چند منٹوں میں لکھ ڈالتے، وفات سے چند ماہ قبل جب بیماری میں شدت تھی، معذوری بڑھ گئی تھی، پیروں میں اس قدر ورم تھا کہ از خود حرکت دینا بھی ممکن نہ تھا، جب مایوسیاں بڑھنے لگتی ہیں اور انسان مختلف اندیشوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، انھوں نے بستر مرض پر ہی کئی رسالے مرتب کر دیے اور تقریباً سو صفحات میں اپنی تعلیمی سرگزشت کو کاغذ پر منتقل کر دیا۔ زندگی بھر ہزاروں صفحات لکھ ڈالے، رضوان، پیام عرفات، تعمیر حیات، ملک و بیرون ملک کے دسیوں رسائل و جرائد کی فائلیں گواہ ہیں کہ ان کے قلم نے مختلف موضوعات پر بھرپور علمی و فکری غذا فراہم کی ہے۔

قدرت نے انھیں ایک خاص دماغی سانچہ میں ڈھالا تھا، وہ ایک نہ تھکنے والی روح اور جہد مسلسل والا جسم تھے، ان کے یہاں آمد ہی آمد تھی آورد کا نام نہیں، انھوں نے بہتیرے موضوعات پر لکھا اور خوب لکھا؛ اصلاحی مضامین، فکری مضامین، وفیات، اخباری رپورٹیں، ریڈیائی تقریریں، تعارف و تبصرے، سفرنامے غرض کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا، البتہ ان کا خاص ذوق تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا تھا، وہ صاحب اسلوب سوانح نگار و تذکرہ نگار تھے، ان کا قلم نہایت محتاط، مرنجاں مرنج، اور طرز ادا نہایت صاف و سہل اور رواں تھا، انداز تحریر زندگی کے حقائق سے مربوط تھا، شگفتگی ترتیبِ کلمات سے پیدا کرتے لیکن اس طرح کہ عبارت آرائی کا گمان نہ ہو اور لہجہ کی صداقت مجروح نہ ہونے پائے۔ ان کی سوانح نگاری میں متانت کے علاوہ وضاحت اور منطقی زور تھا، استدلال کو قوی تر بنانے کے لیے وہ تفصیل سے گریز نہیں کرتے، کوشش یہی ہوتی ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں طول کا احساس بھی ہو سکتا ہے لیکن جب مقصد کی وکالت کرنا ہو تو طول سے بچنا ممکن نہیں۔

زبان و ادب کے کسی نقاد سے اگر پوچھا جائے کہ سوانح نگاری کا بہترین اسلوب کیا ہے تو شاید یہی جواب دے کہ ایسا طرز تحریر کہ پڑھنے کے بعد قاری یہ کہنے لگے کہ ایسا تو میں بھی لکھ سکتا ہوں، لیکن جب وہ لکھنے کی کوشش کرے تو لکھ نہ سکے۔ مولانا کے اسلوب پر یہی بات صادق آتی ہے، ان کا اسلوب اتنا سادہ اور آسان ہے کہ پڑھنے والا سوچنے لگتا ہے کہ ایسی سوانح عمری تو میں بھی لکھ سکتا ہوں لیکن لاکھ کوشش کے بعد بھی وہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔

مبالغہ آرائی کا الزام نہ آئے تو کہوں کہ الفاظ واقعی ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، تعبیرات نوک قلم پر منتظر رہتیں، واقعات دماغ کی سلوٹوں پر نقش رہتے اور حوالے نگاہوں کے سامنے بکھرے پڑے ہوتے، ادبی چاشنی ان کی ہر تحریر پر چھا جاتی ہے، چا ہے اس چاشنی کی تہہ کتنی ہی ہلکی کیوں نہ ہو۔ ان کا سنبھلا ہوا انداز بیان، شستہ اردو کا اچھا نمونہ ہے۔

زبان و قلم میں تھوڑی بھی چاشنی اور دو چند مضامین کی مقبولیت کے بعد انسان کسی حد تک بے مہار اور فکری انحراف کا شکار ہو ہی جاتا ہے؛ مذہبی روایات، مسلکی اعتدال اور اپنی تہذیب و ثقافت سے منہ موڑ کر لوگ روشن خیالی کے نام پر بے جا تنقید و تنقیص، استہزاء و تمسخر اور کسی حد تک مسلمات پر اعتراضات کی ترویج و اشاعت ہی کو اپنی کامیابی سمجھنے لگتے ہیں، لیکن مولانا کی جتنی بھی تحریریں اٹھا کر پڑھ لیجئے اسلامی افکار و خیالات اور ندوی نظریات کے دائرے ہی میں گلکاریاں کرتی نظر آئیں گی۔

مولانا کی امتیازی صفت ان کا تاریخی ذوق تھا، ماضی کے واقعات، انساب و سنین انھیں ازبر یاد تھیں، ملاقاتوں کا ہر لمحہ اور ہر ملاقات کی باتیں ان حافظہ میں رہتیں، دیکھے ہوئے چہرے یادداشت سے محو نہ ہوتے، ہر کتاب و ہر خطاب ان کے ذہن میں منتقل ہو جاتا، خانوادہ علم اللہی میں ایک خوبی یہ بھی ہے یہاں شادی بیاہ کے رشتے خاندان ہی میں ہوتے ہیں، اس اہتمام کی وجہ سے بسا اقات رشتوں کی نسبتیں ایسی گنجلک ہو جاتی ہیں کہ عام انسان کنفیوز ہو جائے، لیکن مولانا سے ملنے کے بعد یہ گتھیاں آسانی سے سلجھ جاتی تھیں۔

کچھ یہی حال یہاں کے شہر خموشاں کا بھی ہے، نہ جانے کتنے اولیاء اللہ کی آخری آرامگاہیں یہاں موجود ہیں، لیکن نہ کوئی مقبرہ ہے نہ کوئی مزار ہے، نہ لوح تربت، نہ قبہ و گنبد، بالکل سادہ سی کچی قبریں یا مٹی کا ڈھیر، بس ندی کا کنارہ جس کی سرکتی ہوئی بالوی مٹی، اس پر مستزاد ایک زمانہ تک سیلاب کا سلسلہ، کتنی قبروں کی مٹیاں بہہ چکیں، ظاہری علامتیں بھی مٹ چکیں، لیکن خاندانی بزرگوں نے مکانوں اور مکینوں کو اپنی یادداشت میں سنبھالے رکھا، مولانا مرحوم اس عظیم ورثہ کے امین و پاسباں تھے۔

مولانا محمود صاحبؒ کے قلم نے کئی عظیم ہستیوں کی سوانح عمریاں مرتب کی ہیں، متکلم اسلام حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ، امیر تبلیغ حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ، صحابی اسلام حضرت مولانا محمد الحسنیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ، داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ، شیخ

الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ، یقیناً ہندوستان کی اسلامی تاریخ ان عظیم ہستیوں کی حیات و خدمات کے بغیر نامکمل ہے اور مستقبل کا مؤرخ جب بھی اس موضوع پر قلم اٹھائے گا وہ خود کو ان کتابوں سے کبھی بے نیاز نہیں کر سکے گا۔

اہل علم واہل فن نے مولانا کی سوانح نگاری، واقعات کی تصویر کشی، انسانی نفسیات سے گہری واقفیت، شخصیت کی کلید دریافت کر لینے کی قابلیت اور قلم کی بے جان تصویروں میں جان ڈال دینے کی صلاحیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور مولانا کو ایک کامیاب تذکرہ نگار کی حیثیت سے قبول کیا۔

تاریخ اسلام مولانا کی دلچسپی کا موضوع تھا، جدید وقدیم کے اکثر مآخذ مولانا کے مطالعہ میں تھے، کئی سال تک یہ موضوع ان کے زیر تدریس بھی تھا، اسی وقت سے کہا کرتے تھے کہ تاریخ اسلام کے نام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں اسلام کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے، ان کتابوں کو تاریخ اسلام کے بجائے تاریخ مسلم حکمراں کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مولانا نے دیکھا کہ تاریخی صفحات میں جواہر آبدار موجود ہیں اگرچہ گرد آلود ہو کر نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں، انھیں سامنے لانے اور اسلام کی صحیح تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت ہے، مولانا نے اس کی بیڑہ اٹھایا اور ''تاریخ اصلاح وتربیت'' کے عنوان سے تقریباً پانچ جلدوں کا ایک خاکہ مرتب کرلیا، سات سال قبل پہلی جلد چھپ کر منظر عام پر آئی، اور اپنے موضوع پر ایک لاجواب تصنیف ہونے کا تمغہ حاصل کیا، اصحاب علم وذوق نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اگلی جلد کی فرمائش بھی شروع کردی۔ ایک طرف دوسرے موضوعات سامنے آتے گئے، مشغولیات بڑھتی گئی، ترجیحات بدلتی رہیں اور دوسری طرف اہل تعلق کا مطالبہ بھی زور پکڑتا رہا، بالآخر اس کام کو ترجیح دی اور تقریباً دو سال قبل اس سلسلہ کی دوسری جلد بھی طبع ہوگئی، اور تیسری جلد ترتیب وکمپوزنگ کا مرحلہ میں داخل ہوگئی، چوتھی جلد کی تسوید کا بھی کچھ مرحلہ پورا ہو چکا تھا کہ وقت موعود آپہنچا اور مکمل تاریخ اسلام کا کام ایک بار پھر امت کے اہل قلم پر قرض رہ گیا۔

مولانا محمود صاحبؒ نے صرف علمی وفنی کمالات پر قناعت واکتفا نہیں کیا بلکہ علم وفن کے پہلو بہ پہلو ایمان واحسان کے ذریعہ اپنی باطنی دنیا بھی آباد کی، اپنے اوقات عزیز کو اللہ کے ذکر سے آباد کیا اور اس طرح دین ودنیا کی حسنات کو جمع کرنے کی بھی کوشش کی، گھر کے دینی و روحانی ماحول نے مولانا کی جذباتی وفکری رہنمائی کی، جن گودوں میں مولانا پروان چڑھے وہ ایسے ایمانی چشمے تھے جن سے اخلاص وللّٰہیت، تقوی وطہارت، دعائے سحر و مناجات نیم شب کے نغمے پھوٹتے تھے۔ قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں میں بچپن کے ایام گذرے، بزرگوں کی دعاؤں اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت کیمیا اثر نے گہرے اثرات مرتب کیے، سن شعور سے پہلے ہی حضرت مولانا کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے، سفر وحضر کی صحبت پائی، علوم عالی ومعرفت ربانی سے فیض اٹھایا، جوانی کے ایام قلب و روح کی پاکیزگی کے ساتھ بسر کیے، حضرت مولانا کی ہدایات کو حرز جاں بنایا اور اور عمر بھر ان پر عمل پیرا رہے، ''سلاسلہ اربعہ'' کی ترتیب وپیشکش ان کی سلوک ومعرفت سے گہری وابستگی اور تاریخی ذوق کی بہترین مثال ہے۔

حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد ان کے جانشین محبوب ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے دامن فیوض وبرکات سے وابستہ ہوئے اور اپنی زندگی کے سبھی فیصلوں میں خود کو ان کی رائے کا پابند بنالیا، سفر وحضر میں ایک علمی معاون بلکہ ایک خادم کی حیثیت سے ہمیشہ ساتھ رہے، انہیں کی رہنمائی میں سلوک کے سبھی مراحل طے کیے اور خلافت واجازت بھی سرفراز ہوئے۔

جن حضرات کو رمضان المبارک کے ایام دائرہ شاہ علم اللہ میں گذارنے کا موقع ملا ہے وہ گواہی دیں گے کہ مولانا مرحوم کے 'ذکر جہری' سے مسجد کا کونہ کونہ گونج اٹھا کرتا تھا، اللہ نے ان کے اندر ایسی کشش وجاذبیت رکھی تھی کہ تصوف وسلوک کا انکاری بھی ان کی ''ضربیں'' سنتا تو بے ساختہ ان کے پہلو میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کی زبان سے بھی ''لا الہ الا اللہ'' کے نغمے پھوٹنے لگتے، اثبات ونفی کی ضربیں دلوں کو مہمیز کرتیں، روح کے تاروں میں ایک جنبش سی آجاتی، پھر ایک کیف، ایک سرور اور ایک حلاوت سی محسوس ہوتی، کچھ ہی دیر میں پوری مسجد میں ایک سناٹا سا چھا جاتا، ایک پرنور سماں بندھ جاتا اور پھر مولانا کے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں اٹھتے اور دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوتا، ہر ہر دعا پر آمین آمین کی صداؤں سے پورا ماحول روحانی ہوجاتا، تیز تیز ہچکیوں اور تر تر داڑھیوں سے صاف محسوس ہوتا کہ ''الا اللہ'' کی ضربوں نے دل ودماغ کے سبھی تار مرتعش کردیے، قلب وروح کی بے قراری کو کچھ سکون نصیب ہوا اور ذکر کی حلاوت نے پورے وجود کو پاکیزہ کردیا:

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لیے کس کس کا ماتم کیجیے

مولانا محمود صاحبؒ کی ہمہ جہت شخصیت کا تنوع حیرت انگیز تھا، وہ جتنے بڑے سوانح نگار تھے اتنے ہی بڑے مضمون نگار، اتنے ہی بڑے صحافی، اتنے ہی بڑے ماہر سنین اور اتنے ہی بڑے ماہر

سلوک تھے، ان سب حیثیتوں پر مستزاد ان کی شخصیت کا وہ جمال تھا جو ہر ملنے والے پر اپنا پَرتو ڈال کر مسحور کر لیتا تھا، ان کے دوستوں اور اہل تعلق کا حلقہ کافی وسیع تھا، اس میں لکھنؤ کے وہ اہل ادب بھی تھے جو شام اودھ کے عاشق اور زبان وفن کے مردمیدان تھے، وہ بانکے بھی تھے جو فنون حرب وضرب میں طاق تھے، وہ مرقع ہائے عبرت بھی تھے جو سابق خاندان شاہی کے چشم و چراغ یا عملی وادبی خانوادوں کی یادگار تھے۔ اخباروں کے مدیروں اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ، افسانہ نویس اور نقد نگار، ترجمے کے ماہر اور نثار، مرثیہ خواں اور مرثیہ گو، سماجی کارکن اور سیاست کے علمبردار، تاجر اور نوکر بھی تھے، اس مختلف النوع اور رنگارنگ مجمع میں مولانا کی مخصوص جگہ تھی اور مولانا کے یہاں ان کی مخصوص پذیرائی، ان میں سے کسی مجمع میں بھی وہ نہ تو اس طرح گھل مل جاتے کہ اس کا تشکیلی حصہ بن جائیں، اور نہ بیگانہ وار تماشائی کی طرح کسی نامعلوم گوشہ میں ہی بیٹھے رہتے، ہر جگہ اپنی سنجیدہ انفرادیت کو سنبھالے رہتے، لیکن دوسروں پر انفرادیت کو وارد نہ کرتے، اہل علم اور بزرگوں کا خود بھی احترام کرتے اور برابر والوں کو اور شاگردوں کو حد سے بڑھنے کی اجازت نہ دیتے، اپنے چھوٹوں کی بات بھی خموشی سے سنتے، علمی وفکری مباحث میں اپنی بات پورے زور وشور سے کہتے، دوسروں کی سنتے، جواب الجواب دیتے لیکن سب جانتے تھے کہ مولانا نہ حد سے آگے جائیں گے اور نہ جانے دیں گے، وہ جاذب قلب ونظر شخصیت کے مالک تھے، جس محفل میں ہوتے اس کی روح بن جاتے، عام طور پر یہ اصطلاح مشاعروں کے لیے خاص ہے کہ فلاں شاعر نے تو واقعی مشاعرہ لوٹ لیا، لیکن میں نے اکثر موقعوں پر مولانا کو تن تنہا محفل کو لوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔

ان کی شخصیت کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ وہ دوسروں کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے، خوردوں سے ملنے میں، ان کا اکرام کرنے اور ان کے کارناموں کی قدرشناسی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے تھے، ان کی تصنیفات میں جابجا شاگردوں اور خوردوں کے حوالے اور ان کے شکریے موجود ہیں۔

دوستوں کے دوست دل وجان سے، مگر کسی کے دشمن نہ وہ تھے اور نہ کوئی ان کا دشمن تھا، شرافت اور نیک نفسی ان کا اخلاقی وصف تھا، چہرے سے ہمدردی اور شفقت نمایاں تھی، دل کو ان کی طرف کشش ہوتی تھی، پاس بیٹھنے سے محسوس ہوتا کہ کوئی چیز ہم پر اثر کر رہی ہے۔ وہ ہمیشہ زمین سے جڑے رہے ہیں، مسائل کی گتھیوں میں نہیں الجھتے تھے بلکہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل نکالنے کا ہنر جانتے تھے۔ درگزر کا یہ عالم تھا کہ ان سے کوئی بدمعاملگی یا بدسلوکی بھی کرتا تو تعلقات میں کبھی کوئی فرق نہ آتا تھا، جب ملتے تو اسی شفقت و عنایت سے پیش آتے اور کیا مجال کہ اس کی بدسلوکی یا بدمعاملگی کا ذکر زبان پر آنے دیتے، کسی دوسرے سے بھی کبھی اس کا تذکرہ نہ کرتے۔

انسان شناسی ان کی ایک بڑی خوبی تھی، وہ بہت جلد سمجھ جاتے تھے کہ متعارف کس خوبی یا خرابی کا مالک ہے، انھوں نے متعدد کام کے افراد دریافت کیے اور ان سے مختلف الانواع کام لیے، لائق انسانوں کا حصول کتنا مشکل ہے اس کو اہل دانش اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس بھی زیادہ مشکل ان سے کام لینا اور پھر کھلے دل سے اس کا اعتراف اور ہمت افزائی کرنا!

یہ فضل وکمال، مطالعہ ووسعت نظر تو الگ چیزیں ہیں مولانا کی زندگی کا اصلی جوہر ان کے اخلاق تھے، سرتاپا انکسار سرتاپا تواضع، حد درجہ فروتن مگر اسی کے ساتھ حد درجہ بے نیاز، غنی نفس، بلند حوصلہ، اپنے اساتذہ اور بزرگوں کا لحاظ رکھنے والے مطیع وفرمانبردار، مگر اسی کے ساتھ خدا کے سوا ہر بڑائی وہر کبریائی سے بے خوف ونڈر!

مولانا بہت کچھ تھے مگر سب سے بڑھ یہ کہ وہ اپنے ہر دوست، ہر ہم عصر، ہر رفیق کے محبوب و حبیب تھے، ان کا ہر ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ وہ اسی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، ان کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی، ہر آئینۂ دل میں وہی ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے، لہٰذا انہیں کئی بار ہی نہیں، کئی زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

مولانا محمود حسنیؒ کا نام سنتے ہی علوم ومعارف، تصوف سلوک اور قلم وقرطاس کا ایک حسین پیکر نظروں کے سامنے آجاتا ہے، فضل وکمال کا ایک گلستانِ پر بہار ذہن میں لہرانے لگتا ہے، ان کی بوقلموں شخصیت کے گوناگوں گوشوں پر بہتوں نے لکھا ہے، کسی نے ان کی تاریخ دانی کو موضوع گفتگو ٹھہرایا، کسی نے ان کے سوانح نگاری کی تفصیلات بیان کیں، کسی نے ان کی وادیِ صحافت کی پیمائش کرنے کا فریضہ انجام دیا، کسی نے ان کی علوم حدیث وفن تصوف سے لطف اندوز ہونے کی کشش کی ہے، اور کسی نے ان کے اخلاق حمیدہ و صفات محمودہ پر اظہار خیال کیا، لیکن ایک اہم پہلو جو ان کی شخصیت کا تعمیری عنصر ہے وہ تشنہ رہ گیا یعنی ان کی تدریسی وتربیتی خصوصیات!

مولانا ایک مصنف، ایک مؤرخ، ایک سالک اور ایک واعظ کے ساتھ بلکہ اس سے پہلے ایک کامیاب مدرس وایک کامیاب مربی تھے، ان کا تدریسی دورانیہ تقریباً دس سال پر محیط ہے، اس

طویل عرصہ میں ان کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں میں ضرور ہوگی، دراصل شاگردی بھی کئی طرح کی ہوتی ہے، ایک تو درس لینے کی عادت کا نام شاگردی رکھا گیا ہے، کچھ کتابیں پڑھ لیں، کچھ کتابیں سمجھ لیں، امتحان تک ساتھ رہا، پھر نہ واسطہ کتاب سے اور نہ رسم وراہ استاد سے، یہ شاگردی رسمی بھی ہوتی ہے اور چند سالوں تک ہی قائم رہتی ہے۔ دوسری شاگردی درس کتاب سے لے کر درس زندگی تک، مادہ خام سے لے کر کچھ بننے اور سنورنے تک، علمی موشگافیوں سے لے کر عملی بوقلمونیوں تک، محاسبہ نفس لے کر احتساب کائنات تک' نہ شاگرد بے نیاز، نہ استاد غافل!

مولانا کے خوش نصیب شاگردوں کی طویل فہرست میں راقم سطور کا بھی نام شامل ہے، یوں تو رسمی شاگردی پانچ سال تک مسلسل حاصل رہی، لیکن دوسری شاگردی کی مدت طویل ہے؛ تقریبا تیس سال کی شاگردی! مولانا سے جتنا قرب بڑھتا گیا ان کی شخصیت اسی قدر برافگندہ نقاب ہوتی گئی، وہ ہشت پہل شخص تھے اور ان کی شخصیت کا ہر پہلو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا، طبیعت کی نرمی وسختی، مزاج کا جمال وجلال، تدریس کی جدت وندرت، تربیت کے انوکھے والبیلے انداز اور شخصیت سازی کا اختراعی اسلوب، ہر رنگ وہر آن میں ان کو دیکھنے اور ہر ہر پہلو سے سیکھنے کا موقع ملا۔ پہلی بار ایسا بے نفس و بے لوث انسان دیکھا جو غیبت نہیں کرتا، چغلی نہیں کرتا، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ دوسروں کے متعلق منفی خیال بھی نہیں رکھتا، جو زندگی کو امانت سمجھتا ہے اور ہر ہر لمحہ کو مفید بنانے کی فکر میں رہتا ہے اور ایسے لوگوں کی صحبت اٹھانا پسند کرتا ہے جن کے پاس فکر کی سلامتی، اخلاق کی بلندی اور علمی رنگارنگی ہو۔

میری طالب علمی کے زمانے کی مختلف یادیں خانۂ خیال میں گردش کر رہی ہیں، ان کی ممتاز شخصیت اور منفرد شبیہ کی انمول تصویر دماغ کی سطح پر ابھر رہی ہے؛ حضرت الاستاذ گندمی رنگ، متوسط القامت بدن، پر وقار و بارعب چہرہ، گھنی وسیاہ داڑھی، قدرے کشادہ پیشانی، مناسب ناک، شستہ وشایستہ وشگفتہ طرز گفتگو کے حامل، اپنے خدوخال و شخصیت کے اعتبار سے دل کش وجاذب نظر تھے۔

مولانا کے تدریس کی دو بنیادی خصوصیات تھیں؛ ایک نصابی کتاب کی تحلیل وتفہیم ساتھ ساتھ موضوع سے مناسبت پیدا کرانے کی کوشش، اور دوسری درجہ کے اوقات کے بعد بھی تعلیمی و تربیتی ربط اور مسلسل علمی وفکری رہنمائی۔

تحقیقی مزاج پیدا کرنے کا عجب ہی گُر تھا، عربی کے الفاظ ومعانی کے لیے کہتے کہ اردو کے بجائے عربی لغات دیکھو، کوئی تاریخی سبق ہوتا تو اصل مآخذ دیکھنے کا حکم دیتے، خود بھی مراجع کی کتابیں لاتے اور طلباء سے بھی منگواتے، پابندی سے لائبریری پہنچتے اور ہم طلباء کو مراجعت میں مشغول کردیتے، موضوع کی مناسبت سے دیگر کتابیں بھی تھماتے، ایک ایک سبق پر کئی کئی جہتوں سے گفتگو کرتے، کہتے کہ اس سے تمھارے اندر تحقیق کا مزاج پیدا ہوگا، مثال کے طور پر "القـــرأة الراشدة" (ثالث) میں ایک سبق "بين والد جندي و ولد فقيه" کے عنوان سے تھا، تحقیق ومراجعت کرائی تو یہ سبق تاریخی معیار پر پورا نہیں اترا۔ جب "تهذيب الأخلاق" کا درس ہوتا تو احادیث کے ترجمے وتشریح پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اصل مآخذ اور شروحات بھی سامنے رکھتے، مختلف جہتوں سے حدیث پر بحث کرتے، روایت کا مرجع اور الفاظ کے اختلافات بھی بتاتے، کبھی کبھی حدیث رجال پر بھی گفتگو کرتے۔ تاریخ اسلام کے اسباق میں مستند تاریخی کتابوں کا مطالعہ کراتے، دارالمصنفین کی مطبوعات کو خاص اہمیت دیتے، مستند اور صحیح الفکر مصنفین کو پڑھنے کی ترغیب دلاتے، خلاصہ کلام یہ کہ طلباء میں علمی ذوق پیدا کرانے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور عملی رہنمائی کرتے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس وقت حیات تھے، ہم طلباء کو مولاناؒ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی تلقین کرتے، کبھی بلند وتشجیعی الفاظ میں تعارف بھی کراتے جس سے طالب علم ایک انرجی محسوس کرتا۔ حضرت مولاناؒ کی عظیم شخصیت کو ان کی کتابوں سے زیادہ مولاناؒ کی باتوں کے ذریعہ سمجھنے کا موقع ملا۔ حضرت مولاناؒ کی ذات گرامی اصحاب علوم واصحاب قلوب کا مرجع تھی، قدآور علمی وفنی شخصیات اور اہل قلوب کی آمد ورفت رہا کرتی تھی، مولانا ہم طلباء کی ان سے ملاقاتیں کرواتے، دعائیں دلاتے، نصیحت کراتے اور کہتے کہ ان ملاقاتوں سے علمی وروحانی فائدہ ہوگا اور مرعوبیت نہیں رہے گی۔

تدریس کی طرح امتحان کے پرچے بھی مولانا اسی معیار سے بناتے اور جانچتے تھے، جو طلباء ذہین ہوتے اور ان کے درمیان مسابقہ ہوتا' ان کی کاپیاں الگ کرلیتے، پھر باریکی سے ان کاپیوں کو جانچتے، ایک ایک شوشہ کی غلطی بھی نشان زد کرتے، تفصیلی جواب میں دیگر اساتذہ کی بھی رائے لیتے اس کے بعد ہی نمبر دیتے، اس طرح کسی بھی طالب علم کو کوئی شکایت نہ ہوتی۔

مولانا جس بلندی سے پڑھاتے اور جس سطح کے سوالات بناتے وہ درجہ کے معیار سے بہت اونچے ہوتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سالانہ

امتحان تھا، مولانا لکھنؤ میں تھے، تہذیب الاخلاق کا پرچہ تھا، سارے سوالات عربی میں تھے، پرچہ کی سطح بہت بلند تھی، مثال کے طور پر ایک سوال کے اجزاء میں ایک جزء یہ بھی تھا: "من رواہ وأین رواہ؟" یقیناً حدیث کی پہلی کتاب میں یہ سوال معیار سے بلند بلکہ بہت بلند تھا، انتظامیہ نے مولانا کو فوراً متنبہ کیا اور پرچہ ہی بدلنے کو کہا، مولانا نے صرف یہی جواب دیا کہ امتحان ہوجانے دیجیے پھر دیکھ لیں گے۔ جب کاپیاں جانچی گئیں تو معلوم ہوا کہ طلباء نے سبھی سوالات حل کیے ہیں۔ مولانا نے ذمہ داروں کو کاپیاں دکھائیں اور کہا کہ طلباء کے معیار اور ان کی صلاحیت کو سامنے رکھ کر ہی سال بھر محنت کرائی ہے۔

مولانا کی وجہ سے طلباء میں مضمون نگاری و مقالہ نویسی کا عام رجحان تھا، جو بھی مولانا سے ملتا اس میں لکھنے کا شوق ضرور انگڑائی لیتا، مولانا ہمیں عناوین دیتے اور پھر ہماری الٹی سیدھی تحریروں کی تصحیح بھی کرتے، اصلاح کا عجیب وغریب ملکہ تھا، کوشش کرتے کہ طلباء کی تحریروں میں زیادہ تبدیلی نہ آئے، کبھی کبھی بڑی بھونڈی غلطیاں ہوتیں، ان کی بھی اصلاح کرتے لیکن سب کے سامنے نہ ان کا تذکرہ کرتے اور نہ ان کی طرف اشارہ کرتے، نہ کسی کو شرمندہ کرتے اور نہ کسی پر احسان جتاتے، بڑی شفقت اور غایت مہر ومحبت کا معاملہ کرتے، البتہ فکری غلطی پر ضرور تنبیہ کرتے اور فوراً پوچھتے کہ آج کل کس کتاب کا مطالعہ کر رہے ہو؟ غلطی اگر بڑی ہوتی تو مستقل اس کی ذہن سازی کرتے۔ دار المطالعہ میں طلباء کو ہر کتاب پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، سطح کا لحاظ ضروری تھا، مولانا اس سلسلہ میں بہت حساس تھے۔

وہ طلباء پر نئے نئے تجربے بھی کرتے تھے اور ان کی صلاحیتوں کو مہمیز کرتے، مثلاً راقم جب ندوہ میں زیر تعلیم تھا، مجلس تحقیقات میں ان سے ملاقات ہوئی، مولانا نے ایک عنوان دیا اور کہا کہ ابھی مضمون لکھو، میں نے بہت سے حیلے کیے بہانے بنائے اور وہاں سے نکل جانے کی کوششیں کیں، مولانا بھانپ گئے، اور مجلس کے ہال میں مجھے قلم کاغذ تھما کر بٹھا دیا، باہر سے کنڈی لگا لی اور کہا کہ جب مضمون پورا ہوجائے تو آواز دے دینا، تھوڑی دیر میں چائے بھی بھجوادی، اب کوئی اور چارہ نہ تھا بالآخر مضمون پورا ہوا اور مولانا نے بہت حوصلہ بڑھایا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حیات و خدمات پر ایک عالمی سیمینار جامعہ سید احمد شہیدؒ (کٹولی) میں منعقد ہوا تھا، مولانا کے سپرد بہت ساری ذمہ داریاں تھیں، لیکن حسب عادت مقالہ نگاروں اور خطیبوں کی اہم اہم باتیں مولانا چھوٹی بڑی پرچیوں میں لکھ لیا کرتے تھے، سیمینار کے بعد مولانا کا غالباً ممبئی کا سفر تھا، چارباغ اسٹیشن تک میں بھی ساتھ تھا، مولانا سیٹ پر بیٹھ گئے اور اپنا بیگ دیکھنے لگے، اس میں سیمینار کی ساری پرچیاں مل گئیں، مولانا نے وہ سب میرے حوالہ کیں اور کہا کہ واپس آنے تک سیمینار کی رپورٹ تیار کر کے رکھنا، میں نے کہا کہ مولانا یہ کیسے ہوسکتا ہے، سیمینار میں شرکت تو دور کی بات ہے میں آج تک کٹولی بھی نہیں گیا، مولانا نے کوئی عذر قبول نہیں کیا، آخرش ان منتشر اوراق کی بنیاد پر میں نے ایک رپورٹ تیار کی جو بعد میں مولانا کی اصلاح کے بعد "بانگ حرا" کے خصوصی اشاعت میں شامل ہوئی۔

مولانا نے ایک موضوع "اسلام اور انسانی حقوق" پر لکھنے کے لیے دیا، وقت بہت کم تھا، میں کہتا رہا کہ اتنے کم وقت میں مقالہ تیار کرنا بہت مشکل ہے، مراجع بھی دستیاب نہیں، مطالعہ کی مہلت بھی نہیں۔ مولانا نے کہا کہ اس موضوع پر ہم نے تم کو بہت کچھ بتایا ہے، فلاں فلاں کتاب میں تم نے اس موضوع پر جو پڑھا ہے وہ سب یاد کرو، انہیں باتوں کو مرتب کر کے لکھنا ہے، یہ کہتے ہوئے مجھے قلم کاغذ تھما کر بٹھا دیا، اور خود لائبریری سے مراجع کی کتابیں لا کر میرے سامنے رکھ دیں اور کہا اب کوئی عذر نہیں، کل تک مقالہ تیار ہوجائے، مولانا مسلسل نگرانی کرتے رہے، اس طرح دوسرے ہی دن مقالہ تیار ہوگیا، مولانا نے مقالہ پسند کیا، اس میں اصلاحات دیں، دعاؤں سے خوب نوازا اور اہل تعلق سے اس کا تذکرہ بھی کیا۔

مولانا کہا کرتے تھے کہ لکھنے سے پہلے موضوع کا مطالعہ ضروری ہے، جتنا مطالعہ فروعی اور سرسری ہوگا عبارت اتنی ہی ناقص اور بے جوڑ ہوگی، خیال جتنا آئینہ ہوگا عبارت اتنی ہی خوبصورت ہوگی، مواد کی صحت پر جتنا خیال ہوگا تحریر میں اتنی ہی وضاحت اور قطعیت بھی ہوگی، قلم برداشتہ لکھنا کمال نہیں بلکہ ناپ تول کے جانچ پرکھ کے لکھنا کمال ہے، چنانچہ ہم طلباء کو کیا پڑھنا ہے اور کس مصنف کو پڑھنا ہے مولانا اس کی پوری نگرانی رکھتے تھے۔

مولانا سے جب بھی ملاقات ہوتی، نہایت مفید ہوتی، اِدھر اُدھر کی باتیں بہت کم کرتے، کوئی علمی نکتہ بتاتے، کسی کتاب کا تعارف کراتے، کسی موضوع پر نقد وتبصرہ کرتے، ملکی وقومی مسائل پر گفتگو کرتے، وہ اپنا نقطۂ نظر بڑی وضاحت سے پیش کرتے، دلیلیں دیتے، جوابات دیتے، لیکن دوسرے کی بات سننے کو بھی تیار رہتے، اپنی رائے کبھی نہیں تھوپتے۔

جب کبھی میں کہتا کہ مولانا آج کل اخلاص پیدا ہونا تو بہت مشکل ہے، پھر اتنا کچھ لکھنے پڑھنے سے کیا حاصل جب اخلاص ہی نہ ہو؟ تو مسکراتے

اور کہتے ان سب چکروں میں نہ پڑو، شیطان اسی طرح پٹی پڑھاتا ہے، اپنا کام کرتے رہو، ان شاء اللہ اسی طرح کام کرتے کرتے اخلاص پیدا ہو جائے گا، اگر انتظار کرو گے تو صحت اور صلاحیت دونوں ضائع ہوتے رہیں گے۔

مولانا کے سامنے اگر کوئی غیبت کرتا یا ناروا تبصرہ کرتا تو کہتے کہ ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیے، کوئی کسی کی قبر میں نہیں سوئے گا ہم سب کو اپنی اپنی قبر میں سونا ہے۔

دیکھنے میں محسوس ہوتا کہ مولانا پر کسی کی اچھی بری بات کا کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا، بعض منھ لگے کچھ بے ادبی اور گستاخی بھی کر جاتے ، ہر سمجھدار اس کو محسوس کر لیتا لیکن مولانا صرف مسکرا دیتے اور نظر انداز کر دیتے۔ جس طرح بڑی سے بڑی مسرت پر وہ غیر متاثر نظر آتے اسی طرح سخت سا سخت رنج وغم بھی ان کو افسردہ و مضمحل نہیں بنا پاتا، معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جسم میں اعصاب کے بجائے فولاد کی تاریں ہیں جن پر کسی چیز کز اثر نہیں ہوتا لیکن جنھیں ان کی طبیعت کا اندازہ تھا وہ سمجھ لیتے تھے کہ اس وقت کیسا طوفان مسرت یا سیلاب غم ان کے اندر جوش زن ہے جسے وہ ضبط کیے ہوئے ہیں لیکن یہ ضبط اس وقت ٹوٹ جاتا جب کوئی ادنی سی بھی گستاخی اکابر امت اور خاص کر اصحاب نبی ﷺ کی شان میں ہوتی۔

مولانا مرحوم کی صحت وتندرستی ایک زمانہ سے خراب تھی، ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ موت سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں، کئی بار وہ سخت بیمار ہوئے بلکہ موت کی دہلیز تک پہنچ کر واپس آئے لیکن ان کے مردانہ عزائم اور دلیرانہ جوش میں کبھی کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی، اپنے تعلیمی و تصنیفی مشاغل سے انھوں نے کوئی سمجھوتا نہیں کیا، اور اپنی صحت وتوانائی یا راحت وآسائش کی طرف فرض کی حد تک بھی توجہ نہیں دی۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ وقت ضائع نہ کرو، کچھ کرنے کا یہی وقت ہے، اب عمریں لمبی نہیں ہوتیں، اللہ نے انہیں مختصر عمروں میں برکت رکھی ہے۔

عمر کے آخری دو سال مسلسل علاج ومعالجہ میں گذرے، مرض میں شدت اور جسم میں کمزوری بڑھتی گئی، اٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارے کی ضرورت پڑنے لگی، علاج کے ہر ممکن طریقے اختیار کیے گئے، گردوں میں سخت انفیکشن تھا، معاملہ ڈائلیسس تک جا پہنچا، پھر بھی بات نہ بن سکی اور نوبت وینٹیلیٹر کی آ گئی، اہل تعلق مسلسل دعاؤں میں مشغول رہے، وفات سے ایک دو دن قبل بہتری کے آثار نظر آنے لگے تھے، وینٹیلیٹر بھی ہٹا دیا گیا، لیکن خدا کی مرضی غالب آئی، عارضہ قلب لاحق ہوا اور پیہم رواں، ہر دم جواں زندگی کو قرار دائمی نصیب ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس دن آسمان پر سیاہ بادلوں کے ٹکڑے اڑتے نظر آ رہے تھے، ہوا میں خنکی تھی، کچھ رم جھم بھی ہوئی، متعلقین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، کون کس سے تعزیت کرے! ہر کوئی تو سوگوار تھا، سب اپنا اپنا تعلق بیاں کرتے رہے، اللہ اکبر کی صدا گونجی اور ایک جم غفیر نے جنازہ کی نماز ادا کی، اور پھر بھیگی پلکوں، تڑپتے دلوں، لرزتے قدموں اور سسکتے جذبات کے ساتھ ان کو آغوشِ قبر کے حوالہ کر دیا۔

ایسے تو ہر دن کسی نہ کسی کے مرنے کی خبر سینہ چیرے دے رہی ہے، مگر کچھ ایسے لوگ جن کی شفقت ومحبت ہم پر سایہ فگن رہی ہو وہ دور ہو جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے:

آسماں تری لحد پہ شبنم افشانی کرے

مرض کی شدت میں اہل تعلق کو یہ ڈر تھا اور غلط نہیں تھا کہ ان کے ذہن میں اتنا کچھ محفوظ ہے کہ اس کا سمیٹنا مشکل ہے، ڈھلتی ہوئی صحت ، کمزور پڑتے اعضاء، گھٹتی ہوئی طاقت اور کام کرنے کی صلاحیت، فطرت کے عطیاتِ پیری انھیں جوانی میں ہی حاصل ہو گئے تھے ، یہ خواہشوں کے پھیلانے کا نہیں بلکہ کام کو سمیٹنے کا وقت تھا، اتنا مولانا کو بھی معلوم تھا کہ اب آفتاب حیات غروب ہوا چاہتا ہے؛ لیکن سوال یہ تھا کہ یہ کام سمیٹے کیسے جائیں، معاونِ کار کہاں سے ڈھونڈے جائیں، لیکن مولانا ہمت والے انسان تھے، جب تک ہاتھ میں جنبش میں تھی قلم مسلسل رواں رہا، بستر مرگ پر لیٹے لیٹے سیکڑوں صفحات لکھ ڈالے اور کئی رسائل مرتب کر دیے۔

تمام عمر قلم وقرطاس میں کٹی، سالہا سال لکھا اور سالہا سال پڑھا، اس اعتبار سے وہ ایک تہائی صدی کے ادب و تاریخ کی کہانی تھے، ان کی باتوں سے جی اکتاتا ہی نہیں تھا، کیا کیا باتیں تھیں جو ان کے سینہ میں نہیں تھیں! کتنی ہی باتیں ان کے قلم سے صفحہ قرطاس پر آ گئیں، کتنی ہی لوگوں کے حافظہ میں بے تحریر پڑی ہیں اور کتنی ہی ناگفتنی ہونے کے باعث محفلوں میں گھومتی پھرتی ہیں، جس موضوع پر بولتے موتی رولتے، اکثر گفتنی و ناگفتنی وہ اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔

آہ! بہت کچھ کہنا تھا، بہت کچھ لکھنا تھا لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے سینوں میں جو وسعت ہے وہ کاغذ کے صفحات میں کہاں! ہمارے جذبات میں جو گہرائی ہے وہ الفاظ کی بندشوں میں کہاں! ہائے! مرزا سودا نے کس وقت کہا تھا:

وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں؟
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں؟

☆☆☆☆☆

محمود حسنی ندوی - کچھ یادیں، کچھ باتیں

محمد عثمان ندوی ☆

برادر عزیز مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی مرحوم نے حسب روایت ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر کے خالص علمی و پاکیزہ ماحول میں پائی، ابتدائی تعلیم آبائی وطن رائے بریلی کے مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۹۰ء میں عالیت اور ۱۹۹۲ء میں تخصص فی الحدیث الشریف کا دو سالہ کورس مکمل کرنے کے بعد مزید اپنے آپ کو تعلیم سے مزین اور آراستہ کرنے کی غرض سے ایک سال المعہد العالی للدعوۃ و الفکر الاسلامی میں لگایا، تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی کے شعبۂ تحقیق وتصنیف سے وابستہ ہوئے اور تاحیات اس سے جڑے رہے۔

برادر عزیز مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی مرحوم کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ بہت چھوٹے تھے اور وہ رائے بریلی میں زیر تعلیم تھے، ان دنوں وہ کبھی کبھار ندوہ لکھنؤ بھی آیا کرتے تھے، خاص طور سے جب حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ لکھنؤ میں تشریف رکھتے، اس وقت میں دفتر 'الرائد' سے منسلک تھا اور دفتر 'الرائد' مجلس تحقیقات ونشریات کی پرانی عمارت میں واقع تھا، اس زمانہ میں اور اس سے پہلے بھی ہماری طالب علمی کے زمانے میں بھی مختلف ممالک کے ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا طلبہ کو شوق ہوا کرتا تھا، پہلے تو میں یہی سمجھتا تھا کہ ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا شوق صرف چھوٹے بچوں کا ہی ہے مگر اپنی ملازمت کے دوران بسا اوقات 'الرائد' کے لیے ٹکٹ خریدنے کی غرض سے حضرت گنج جی پی او (جنرل پوسٹ آفس) جانا ہوا کرتا تھا، تو وہاں پر باقاعدہ ایک کاؤنٹر تھا جب کوئی نیا ٹکٹ جاری ہوتا تھا تو لوگ وہاں جا کر خریدا کرتے تھے تو اس وقت پتہ چلا کہ یہ شوق صرف بچوں میں ہی نہیں بلکہ جوانوں اور بڑوں میں بھی یہ کسی حد تک موجود ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی سننے میں آئی تھی کہ کبھی کبھی پرانے نادر ٹکٹوں کی نمائش لگتی ہے اور کسی منفرد ٹکٹ پر انعام بھی ملتا ہے (واللہ أعلم) اس زمانہ میں یہ ناچیز بھی پرانے ڈاک ٹکٹ مختلف ممالک کے جمع کیا کرتا تھا اور 'الرائد' میں بھی مختلف ممالک سے ڈاک آیا کرتی تھی، اسی شوق کی نسبت سے سید محمود حسن حسنی ندوی مرحوم بھی دفتر 'الرائد' ہمارے پاس آیا کرتے تھے اور ہماری میز سے قریب کھڑے ہوجاتے اور ٹکٹ کی فرمائش کرتے، مزید جاتے جاتے یہ کہتے کہ ہمارے لیے جمع کر کے رکھئے گا، میں پھر لینے آؤں گا۔

جہاں تک مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کا تعلق ہے تو وہ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے تو اس خاندان سے میں اپنے بچپن ہی سے قریب رہا ہوں تو اس نسبت سے بھی مجھے مولوی محمود حسنی کو بہت ہی قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، مرحوم کو اللہ رب العزت نے بہت ہی خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں خاندانی عظمت وشرافت نفس کے ساتھ ساتھ کم عمری میں للّٰہیت اور اولیاء کرام کے حسن کردار کی جھلکیاں نظر آتی تھیں، تصوف، حد درجہ خلوص، استغناء، قناعت، خوداعتمادی کے ساتھ ساتھ وہ نہایت ہی خوش اخلاق، ملنسار، سادہ مزاج، نرم دل، خوش طبیعت کے مالک تھے، مرحوم ان خوش نصیب لوگوں میں سے ایک تھے جنہیں اپنی مادری اور پدری دونوں ہی کی طرف سے بعض اعلیٰ درجہ کی خوبیاں ملی تھیں، وہ سنجیدہ مزاج، سب سے بڑھ کر مثبت فکر، اعلیٰ کردار، عفو و درگزر اور ایک با کردار عالم دین تھے۔

ان کے بچپن سے لے کر آخر تک گہرا تعلق رہا، فراغت کے بعد انہوں نے تصنیف اور تالیف اور بزرگوں کی سوانح عمری کو اپنا علمی محور بنالیا، چونکہ وہ پندرہ روزہ 'تعمیر حیات' کے نائب مدیر بھی تھے اس لیے وہ جب اپنے دفتر 'تعمیر حیات' آتے تو اکثر دفتر 'الرائد' بھی آیا کرتے تھے، اور ہمارے شفیق، بہی خواہ اور کرم فرما مرحوم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی والے حصہ میں بیٹھ کر کبھی کبھار لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتے تھے یا کہیں بھی کسی میز پر جگہ مل جاتی وہ بیٹھ جاتے کیونکہ وہ بہت ہی سادہ مزاج انسان تھے، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

☆ انچارج دفتر 'الرائد' ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کے انتقال کے بعد چونکہ دفتر میں وہ حصہ خالی رہتا تھا تو استاد محترم و مربی حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مرحوم ان سے بسا اوقات کہتے تھے کہ عبداللہ میاں والے حصہ میں آکر بیٹھا کرو، اس مناسبت سے بھی وہ اپنا مسودہ، قلم کاغذ کے ساتھ دفتر 'الرائد' میں بھی بسا اوقات اپنے مضامین وغیرہ مرتب کرتے، وہ خاموشی سے آتے اور خاموشی سے چلے بھی جاتے، کسی کو ایک گلاس پانی کی زحمت بھی نہیں دیتے۔

مرحوم سید محمود حسن حسنی ندوی کا خاص مشغلہ بزرگوں کی تاریخ، ان کی سوانح عمری سے حد درجہ گہری وابستگی تھی، یہی وجہ تھی کہ مشاہیر امت سے متعلق معلومات ان کی تاریخ پیدائش و سنہ وفات وغیرہ ان کی زبان پر رہا کرتی تھیں اور ہمیں بھی بارہا اس کا تجربہ ہوا، انہوں نے بہت کم عرصہ اور کم عمری میں تصنیف و تالیف سے متعلق کئی نمایاں اور قابل ذکر کام انجام دیے اور متعدد کتابیں تصنیف کر ڈالیں، اور بہت سے قیمتی علمی مضامین کو مرتب کر کے طباعت سے آراستہ کیا، ان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے بزرگانِ دین، مشائخ و اولیاء کرام کے ملفوظات اور ان کے تذکرہ وغیرہ قلم بند کر کے ایک بڑے علمی ذخیرے کو محفوظ کر دیا اور اپنے پیچھے ہزاروں صفحات میں ایسا قیمتی اور علمی سرمایہ چھوڑ گئے جو آنے والی نسلوں کے لیے مفید و کارآمد ہونے کے علاوہ اس ناچیز کی نظر میں ان شاء اللہ صدقہ جاریہ کا سبب بھی بنے گا۔

مرحوم سید محمود حسن حسنی ندوی کی آواز میں مٹھاس اور کشش تھی جو اپنی جانب کھینچتی تھی، ان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اجنبیوں سے بھی ایسے ملتے جیسے وہ برسوں کی شناسائی رکھتے ہوں، ان کی ہلکی سی مسکراہٹ اور تبسم کا خاص انداز اور چہرے کی شگفتگی ان سے ملنے والوں کے لیے تسکین کا سامان بن جاتی، رمضان المبارک تکیہ کلاں رائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر بعد تک ختم خواجگاں کے بعد دعاء سے قبل فضائل اعمال اپنے مخصوص انداز میں کھڑے ہو کر پڑھتے تو ان کی پُرکشش آواز سننے والوں کو مسحور کر دیتی، اللہ رب العزت نے ان کی آواز میں حد درجہ کشش عطا کی تھی۔

ادھر وہ کئی مہینوں سے گردوں سے متعلق پیچیدہ بیماری میں مبتلا تھے، جب وہ خاتون منزل میں ہوتے تو بسا اوقات ملاقات کے لیے عصر بعد جانا ہوتا تھا اور کبھی کبھار ان کے چھوٹے بھائی مولوی سید مسعود حسنی ندوی سے بھی ان کی خیریت دریافت کر لیا کرتا تھا، ہماری آخری ملاقات جب وہ علاج کے لیے لکھنؤ ہوتے ہوئے چندی گڑھ جا رہے تھے تو مہمان خانے میں ملنے گیا تھا تو وہ دلیا جیسی کوئی رقیق چیز تھوڑی تھوڑی چمچے سے لے رہے تھے، دس منٹ ان کے ساتھ رہا، حسب عادت خیریت دریافت کی تو کہنے لگے کہ عثمان بھائی (کبھی عثمان بھائی کبھی عثمان صاحب دونوں طرح سے مخاطب ہوتے تھے) اب کچھ کھاتے ہیں تو طبیعت مالش کرنے لگتی ہے اور گلے سے لے کر معدہ تک انگلی سے نشان کھینچتے ہوئے کہا کہ یہاں سے یہاں تک جلن رہتی ہے۔

اطباء کہتے ہیں یہ علامتیں جو لوگ گردے وغیرہ کے بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور جب بیماری بسا اوقات لا علاج ہو جاتی ہے تو اس وقت ایسی ہی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو کسی بھی انسان کے لیے بڑی صبر آزما اور تکلیف دہ ہوتی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس وقت بھی میں نے محسوس کیا کہ ان کا حوصلہ قابل رشک تھا، نقاہت ضرور تھی مگر ان کے چہرے پر تازگی و بشاشت نمایاں تھی، ان کا اللہ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان اس بھاری بیماری پر غالب تھا، اسی درمیان گھر کے کسی بچے کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون آیا تھا تو بچے کو خیر دریافت کرنے سے زیادہ، زیادہ سے زیادہ دعاء اور کچھ ورد کرنے کی تلقین کی تھی، بعد میں وہ کچھ دنوں سے لکھنؤ کے میٹرو ہاسپٹل گومتی نگر میں زیر علاج رہے مگر افاقہ نہیں ہوا اور ۱۲ر اگست ۲۰۲۲ء بروز جمعہ اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون، اللہ رب العزت ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کو جگہ عطا فرمائے، مرحوم سید محمود حسن حسنی ندوی کو میں نے بہت قریب سے دیکھا اور کافی ساتھ بھی رہا، مرحوم کم عمری میں بھی بڑی خوبیوں کے مالک تھے، موت سے کس کو فرار حاصل ہوا ہے، آج ان کی تو کل ہماری باری ہے، قدرت کا ایک نظام ہے جب سے دنیا قائم ہے وہ جاری و ساری ہے، اس کے حکم کی ہر چیز تابع ہے۔

ہم سب کے لیے تسلی کا صرف یہی ایک چارہ ہے کہ: ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی و کل شیء عندہ لأجل مسمّی۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحبِ دل وجہدِ مسلسل شخصیت

محمد کلام الدین ندوی ☆

ہمارے مولانا سید محمود حسنی حسنی ندویؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ملک وبیرون کے بزرگانِ دین اور اصحاب علم ودانش اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، ان کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت ایک مثالی حسنی خانوادہ علم اللہی کے بزرگ و علمی شخصیات اور اس کی باوقار ہستیوں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ، مولانا سید محمد الحسنیؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے زیر سایہ ہوئی، اس خانوادۂ علم اللہی اور اس قابل فخر ومایہ ناز افراد کے علمی، تعلیمی، دینی اور دعوتی خدمات عرب وعجم میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں، درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب، تاریخ نویسی، سیرت وسوانح نگاری، عربی زبان وادب، تفسیر وحدیث، تصنیف وتالیف اور دعوتی وتبلیغی میدان میں نمایاں کارنامے ہیں، مولانا مرحوم نے انہیں حضرات کے علمی تجربات اور انداز تصنیف تالیف سے مسلسل فائدہ اٹھایا، برابر مضامین وتبصرے لکھتے رہے، سیرت وسوانح پر کتابیں تصنیف کرتے رہے اور بزرگوں کے علمی و دعوتی اسفار کی روداد بھی مرتب کرتے رہے، ان کے مضامین مختلف رسائل وجرائد بالخصوص ندوۃ العلماء کے اردو ترجمان پندرہ روزہ 'تعمیر حیات' جس کے وہ دو دہائی تک نائب مدیر رہے، میں شائع ہوکر عوام وخواص تک پہنچتے رہے، اپنے خانوادہ کے بزرگوں اور ذمہ دارانِ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سفر وحضر کی علمی و دینی مجلسوں ومحفلوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا، اس طرح انہوں نے خاص طور پر علمی وتصنیفی میدان میں اچھی مہارت وسلیقہ مندی حاصل کر لی، ان حضرات کی نگرانی میں خوب لکھنے، بولنے اور سیکھنے کا موقع ملا، مولانا مرحوم نے انہیں یگانہ روزگار ہستیوں سے تصنیف وتالیف کا طریقہ سیکھا اور لکھتے لکھتے خود مصنف بن گئے، اور مختصر عمر میں ایک بڑی مفید وقابل ذکر علمی سرمایہ اور نہ بھلا دینے والی یادیں اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

اپنے خاندان کے علماء وصلحاء کی تصنیفات کے علاوہ مولانا مرحوم نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ وغیرہ کی کتابوں سے بھی بہت کچھ سیکھا، ان کا مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ کتاب کے کس باب میں کیا لکھا ہے، ذہن ودماغ میں ساری باتیں محفوظ تھیں، کہیں سے بھی کسی نے کچھ پوچھا، پورے حوالے کے ساتھ فوراً کتابوں کے نام صفحہ نمبر اور جلد نمبر ان کو بتاتے، مولانا مرحوم برابر مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے تدریسی میدان کو مختصراس لیے کیا کہ ایک ساتھ تالیف اور تدریس نہیں ہوسکتی، کسی ایک کو مضبوطی سے پکڑنا ہوگا، میرا مقصد ہے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بزرگوں کے علمی کارنامے اور ان کی بے لوث کی گئی خدمات کو اجاگر کرنا، اگر میں لکھنے پڑھنے کے کام چھوڑ دوں تو مجھے معلوم ہے کوئی اس وقت اتنی فرصت میں نہیں ہے کہ بزرگوں کے حالات اور ان کی خدمات کو جمع کر سکے، اس لیے میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے جو سوچا وہ کر دکھایا، اپنی کم عمری میں مولانا مرحوم نے جو کچھ لکھا اور سرمایہ چھوڑ گئے اتنی کم عمری میں اس طرح کی مثالیں بہت کم یا بالکل نہیں ملتیں۔

مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں حاصل کی، متوسطات تک مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت اور فضیلت سے فراغت حاصل کی اور لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔ اے بھی کیا، اس کے بعد مولانا سید محمود حسن حسنی ندویؒ ایک کامیاب مدرس کے طور پر اپنی تدریسی خدمات کا آغاز مدرسہ ضیاء العلوم میدان رائے بریلی سے کیا، وہ بڑے باصلاحیت، ایک بڑے عالم وفاضل، باعمل، شعلہ بیاں مقرر، باکمال وماہر صحافی، سیال قلم، نیک طبع، صاحب دل، صاحب نسبت، عالی صفت، رحم دل، زاہد ومتقی اور سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے والے، شہرت ونام وری سے کوسوں دور، للّٰہیت، خشیت الٰہی، عشق رسولؐ، محبت صحابہ کرامؓ، تواضع، اخلاص، فراخ دلی، مہمان نوازی، ضرورت مندوں کی مدد، وقت کی پابندی، نام ونمود سے اجتناب، اشاعت علم، دعوت وتبلیغ سے دلچسپی کے ساتھ وہ اللہ والے اور اعلیٰ پایہ کے نیک انسان تھے، فلاحی ورفاہی کاموں سے دلچسپی رکھنے والوں کے بہترین معاون ومددگار، بہترین سیرت ونگار، مقالہ ومضمون نگار اور تاریخ نویس کی حیثیت سے ہمیشہ جانے جائیں گے، آپ کو یہ ساری خصوصیات حاصل تھیں، آپ کا قلم ان تمام موضوعات پر بے باکی سے چلتا ہی نہیں بلکہ دوڑتا تھا، اس وقت اس میدان میں ان کا کوئی ثانی نظر

☆ معاون انچارج مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

نہیں آتا، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ صحافت ولسانیات کے درجہ میں ایک گھنٹہ پڑھاتے تھے، اس درجہ کے طلباء آپ سے بہت مانوس اور خوش تھے، جب کبھی پڑھانے کے لیے درجہ جانے میں تاخیر ہوتی تو کوئی نہ کوئی طالب علم مولاناؒ کو لینے آجاتا، ان کی سادگی کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ کڑاکے کی سردی میں بھی راقم نے انہیں موزے اور جوتا پہنتے نہیں دیکھا، ہمیشہ چپل استعمال کرتے رہے، ضرورت مندوں کو سوٹر خرید کر دیتے اور خود اپنے بڑے بزرگوں کے سوٹر اور صدری پہنتے، راستہ چلتے، اٹھتے بیٹھتے لکھنے پڑھنے میں مشغول ہوجاتے، راقم بارہا مولانا مرحوم سے کہا کرتا تھا کہ تھوڑا آرام کر لیجیے، لکھنا پڑھنا تو زندگی بھر ہوتا ہی رہے گا، مولانا مرحوم کہتے: کلام بھائی جو کام کرنا ہو اس کو کر ڈالیں، کس وقت اللہ تعالیٰ کا بلاوا آجائے، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا مرحوم کڑاکے کی سردی میں مجھے اختیار دیتے کہ اگر کسی طالبعلم کے پاس سوٹر نہیں ہے تو اس کو خرید کر دے دیجیے، اور اسی طرح کتابیں تو برابر اپنے پیسے سے خرید کر طلباء کے علاوہ جاننے والوں کو بھی ہدیہ کرتے رہتے تھے، یہ مولانا مرحوم کا اصل وصف کہیے یا کارنامہ کہ وہ مالی طور پر کمزور طلبہ کا انتخاب کرتے اور بڑی سنجیدگی اور خفیہ طور سے ان کے گھریلو حالات معلوم کرتے، پھر ان کو اطمینان دلاتے اور ان سے پوچھتے کہ ماہانہ کیا خرچ ہے؟ کہتے کہ آپ اپنی تعلیم جاری رکھئے اور محنت سے علم حاصل کیجیے، میں آپ کے خرچ کا انتظام کرتا ہوں ان شاء اللہ، وہ راقم کے پاس ان کو لے کر آتے اور ان سے کہتے کہ آپ یہاں کلام بھائی سے ہر ماہ اتنی رقم لے لیا کریں، وہ رقم کا انتظام کرتے اور میرے پاس بطور امانت رکھتے اور فرماتے ہر ماہ اس رقم سے اس طالب علم کو دے دیا کریں اور ان سے دستخط کرالیں، اور جب رقم ختم ہوجائے تو مجھے اطلاع کر دیا کریں، ان شاء اللہ انتظام کردوں گا، میں اس کام کو انجام دیتا، ایک مرتبہ مولانا مرحوم کو تقریباً ایک لاکھ روپے یا کچھ کم مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ نے جمالیہ ہال کی تزئین ومرمت کے لیے دیے، انہوں نے وہ رقم میرے پاس رکھ دی، اور کہا کہ جمالیہ ہال 'جمعیۃ الاصلاح' کی دیکھ ریکھ کرنے والے جو اساتذہ اور طلباء ہیں، ان سے کہیے کہ جو کام ضروری ہیں، ان کو کرالیں اور جو رقم خرچ ہو آپ انہیں دے دیں اور جو رقم دیں ان سے لکھالیں تاکہ مولانا کو پورا حساب دیا جاسکے، اس طرح جمالیہ ہال کا کام پورا ہوا، مولانا مرحوم جملہ کارکنان 'دفتر تعمیر حیات' و 'مجلس تحقیقات و نشریات اسلام' کو رمضان المبارک شروع ہونے سے دو تین روز قبل شربت روح افزا کی بوتل عنایت کرتے تھے اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے جاری تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے دورِ نظامت کی ابتداء سے حضرت مولانا مدظلہ کی جو بھی کتابیں طبع ہوئیں، ان میں مولاناؒ کی کافی محنت رہی، 'یادوں کے چراغ' (حصہ اول) جب مولانا محمد ہاشم ندوی بھٹکلی نے طبع کرانے کی ذمہ داری قبول کی تو مولاناؒ نے میری رہائش گاہ اطہر ہاسٹل کے پیچھے میں مسلسل چار پانچ روز تہائی رات تک میرے ساتھ کتاب تیار کرانے کے لیے وقت دیا اور کمپیوٹر پر سیٹنگ اور حذف و اضافہ کے بعد کتاب تیار کی، فجر کی نماز سے نصف گھنٹہ پہلے کمرہ سے تہجد کے لیے نکلتے، اسی طرح دوسری جلد میں بھی ان کی بڑی محنت رہی، اسی طرح ایک کتاب 'اصحاب کہف کے غار سے یمن کی وادیوں میں' جو پانچ مسلم ممالک کے اسفار ہوئے تھے، اس سفر میں مفکر اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پانچ افراد تھے، جن میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ، حاجی عبدالرزاق مرحوم اور مولانا عبدالنور ندویؒ، مولانا مرحوم نے اسفار کے مضامین کو 'تعمیر حیات' سے نکال کر جمع کیا اور کتابی شکل میں تیار کرا کر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کو پوری کتاب پڑھ کر سنائی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ مختلف مقامات کے نام اور اشخاص کے نام و تعارف کی اصلاح کرائی اس کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی، اسی طرح 'تحفۂ گجرات'، 'تحفۂ جنوب' اور 'مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی' (سوم، چہارم، پنجم، ششم) ان سب کتابوں پر نظر ثانی کرنے اور حاشیہ لگانے میں مولانا مرحوم نے دیدہ ریزی اور بیدار مغزی سے کام کیا، کتاب کو معنوی وظاہری اعتبار سے خوبصورت بنانے میں اپنی ناقابل فراموش خدمات پیش کیں، ان کے علاوہ لاک ڈاؤن میں مخدوم و مربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے پوری معلومات لے کر 'اوراق زندگی' اول/ دوم پر جو مولانا مرحوم نے دن ورات محنت کر کے تیار کی اور اس سلسلہ میں مولانا اسماعیل بھولا ندوی حفظہ اللہ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم سے معلومات لے کر دو جلدیں تیار کر ڈالی ہیں، یہ سن کر مولانا اسماعیل بھولا ندوی بہت خوش ہوئے اور ہمت دلائی کہ ان شاء اللہ بہت جلد طبع ہوگی، وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، آپ نے اپنی علالت کی حالت میں جبکہ ڈاکٹروں اور گھر کے بزرگوں نے کام کرنے اور لکھنے پڑھنے سے منع کر رکھا تھا، اس کے باوجود مولاناؒ راقم کو فون کرتے اور کہتے کہ ہماری طبیعت الحمدللہ بہتر ہے، افاقہ ہورہا

ہے، آپ مجھے کتاب پرنٹ نکال کر چھپا کر بھیج دیں، کوئی دیکھ نہ پائے، ان دونوں جلدوں میں بھی مولانا مرحوم کی ناقابل فراموش خدمات رہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں جن پر آپ نے اپنی جان کی بازی لگادی، مولاناؒ کی جو اپنی تصنیفات ہیں ان کی تعداد تقریباً دس سے بارہ کتابیں اور بے شمار مضامین اور مقالے ہیں، ان سب کتابوں کو مولانا مرحوم نے دن ورات کی بڑی محنت مشقت اور دیدہ ریزی کے ساتھ تیار کر کے زیورطبع سے آراستہ کرایا ہے جو مولانا مرحوم کے لیے ذخیرۂ آخرت ہے، مولانا مرحوم کی اپنی تصنیفات کی فہرست ایک نظر میں ملاحظہ فرمائیں:

''سوانح مولانا سید محمد الحسنیؒ'، سوانح مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ، تذکرہ مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حیات عبدالباریؒ اردو-عربی، چند دن دیار نکہت و نور میں، شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ، تاریخ اصلاح وتربیت، اول-دوم، عائشہ بی،'' مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں و بے شمار مضامین ومقالے شائع ہوئے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے، آمین۔

مولانا مرحوم نے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جملہ اردو کتابیں جو الحمدللہ اس وقت مکمل کمپیوٹرائزڈ ہو کر نئی طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، ہر کتاب پر دوبارہ نظر ثانی کی ہے، بعض کتابوں کے سلسلہ میں تو مولانا مرحوم نے فرمایا کہ کمپوز ہونے کے بعد جب تک میں نہ دیکھ لوں، تب تک پریس نہ بھیجئے گا، ان کتابوں میں سے خاص کر 'المرتضی' اردو، 'ارکان اربعہ'، 'دستور حیات'، 'مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت' وغیرہ ہیں، 'المرتضی' اردو تو مولانا مرحوم نے خود دو بار پڑھی، حوالے وغیرہ کے اصلاح کے بعد ایک بار مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ کو پڑھنے کے لیے دیا، اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کو پوری کتاب دکھائی، اور اس پر ایک 'مقدمہ طبع نہم' لکھا کر پھر راقم سے کہا کہ اب اس کو اچھی طرح سیٹ کر کے پریس بھیج دیں، اب میرے حساب سے کتاب میں کوئی کمی اور اشکال باقی نہیں رہا، درست ہوگئی، اس کے علاوہ کئی کتابوں کے سلسلہ میں مولانا عبدالرشید راجستھانی ندوی سے کہا کہ آپ مجلس تحقیقات کی فلاں فلاں کتابیں دیکھ لیجیے گا، خاص کر جو حوالے ہیں، اچھی طرح ان کو چیک کر لیجیے گا، مولانا مرحوم کی نگاہ بڑی تیز اور باریک تھی، 'مجلس تحقیقات و نشریات اسلام' اور دفتر 'تعمیر حیات' کو تو مولانا مرحوم نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا، کبھی کبھی تو لکھتے لکھتے اذان ہو جاتی، کہتے بس پورا ہونے ہی والا ہے، کارکن سے کہتے کہ ہم لوگ یہیں ان شاء اللہ جماعت کر لیں گے اور لکھنے پڑھنے میں اتنا مشغول ہوتے کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

راقم اور مولانا جاوید اختر ندوی جب عصر کی نماز بعد پروف پڑھنے کے لیے مجلس آتے تو مولانا مرحوم فون کرتے ارے بھائی آپ لوگ کہاں ہیں؟ کہتا: مجلس میں، تو کہتے میں آرہا ہوں آپ لوگوں کے ساتھ چائے پیوں گا، تشریف لاتے اور لکھنے میں مشغول ہو جاتے، اسی طرح کبھی کبھی مغرب بعد بھی بلا لیتے اور لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے پاس چونکہ کئی طرح کے کام ہوتے تھے سب کو ایک ساتھ انجام دیتے اور مکمل کر کے چھوڑتے۔ کوئی کہتا فلاں صاحب پر دو صفحے کا مضمون لکھ دیجیے، مولانا جب لکھنے بیٹھتے تو دو کیا پچاس پچاس صفحات لکھ ڈالتے تھے، لوگ حیرت کرتے کہ ایک دو صفحے لکھنے کے لیے سوچنا پڑتا ہے اور مولانا نے پندرہ سے بیس منٹ میں کئی کئی صفحات لکھ ڈالے، اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کے اندر لکھنے پڑھنے کا بڑا ذوق اور صلاحیت دی تھی، اپنی طرف سے مضمون لکھنا ایک حد تک آسان ہے لیکن دوسروں کی طرف سے بہت مشکل، مولانا مرحوم دوسرے کی طرف سے بھی مضمون لکھ دیا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم نے 'اوراق زندگی' کی دوسری جلد سے فارغ ہونے کے بعد 'مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ' جلد سوم کی جدید ترتیب کے لیے فہرست بنا کر راقم کو بھیج دیا کہ نئی سیٹنگ اس طرح ہوگی اور 'تاریخ اصلاح وتربیت' جلد سوم کے تین باب اور ایک تحریر بھیجی کہ فلاں صاحب سے کام کرانا ہے، باقی ہم بھیجتے رہیں گے، اسی دوران مولانا علاج کے لیے چندی گڑھ تشریف لے گئے وہاں چند روز علاج کے بعد واپس وطن آئے، طبیعت ماشاء اللہ قدرے بہتر ہی تھی، ڈاکٹروں کے مشورے سے ڈائلسیس کے لیے میٹروسٹی ہسپتال میں شفٹ کرائے گئے، چند روز وہاں بھی علاج جاری رہا، طبیعت آگے پیچھے ہوتی رہی، لیکن خاطر خواہ کوئی فائدہ نہیں ہوا، دوسری بیماری کا بھی حملہ ہوا اور اس میں مزید اضافہ ہوگیا اور آخر میں بروز جمعہ ۱۲/اگست ۲۰۲۲ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اہل خانہ واہل تعلق کو صبر جمیل عطا کرے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور باقی کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆☆☆

حسن خلق اور حسن عمل کے امین

فتح محمد ندوی ☆

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا
آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

غموں کی تمازت میں اس وقت مزید شدت بڑھ گئی جب کانوں کی سماعت سے یہ جاں گسل خبر ٹکرائی کہ خانوادۂ حسنی کے چشم وچراغ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی بھی رفتگان کی فہرست میں شامل ہوگئے۔ یہ خبر کئی اعتبار سے ہمارے لیے تکلیف کا سبب بنی۔ لاریب آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان قابل فخر فرزندوں میں شامل تھے جن کی علمی جامعیت، فکر و خیال میں وسعت اور توازن، قدیم وجدید کی نافعیت کے مثالی پیکر، ادب وانشاء میں باکمال بلکہ ایک شان امتیاز، قلم وکتاب کے رسیا، مسلکی عصبیت اور گروہ بندی سے ذہن ودل پاک وصاف، حسن اخلاق اور حسن کردار کے پابند، سب سے بڑھ کر صلح کل کے عملی مصداق بلکہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے خیال کے سچے ترجمان:

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

اس حادثہ کا گہرا صدمہ پورے حسنی خاندان کو ہے خصوصاً ہم سب کے مشفق ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے لیے سید محمود حسن حسنی ندوی کا عظیم سانحہ سب سے زیادہ دکھ اور غم کا باعث ہوگا، مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو عمر کی اس منزل میں کتنے ہی پہ در پہ صدمے سہنے پڑ رہے ہیں۔ والدین، بھائی، بہنیں، داماد اور دیگر قریبی عزیز واقارب اور اب اپنے جواں بخت اور جواں سال نواسے کو سپرد خاک کیا، بلا مبالغہ آپ کی زندگی غموں کا ایک پہاڑ ہے، مزید غموں کی اثر انگیزی سے انکار بھی ممکن نہیں، ہلکا سا غم بھی شعلہ جاں سوز بنجاتا، تاہم آپ کا صبر و تحمل خانوادۂ نبوت کے گھرانوں کا صبر وتحمل ہے۔

آپ کی صلاح اور صالحیت، نیکی اور طبعی شرافت علمی اور روحانی تربیت بلکہ اقلیم قلب کی تطہیر، فہم و بصیرت کی پختگی، صحت کی ضیاء پاشی اور آبیاری میں جو عناصر شامل ہیں وہ خاندان حسنی اور حسینی کی وہ ادائے دلبری ہیں جو صدیوں سے انسانیت کے ماتھے کا جھومر، اس کی آبرو کا تمغہ اور اس کی شان امتیاز کا عنوان اور اعلان ہے۔ بقول اقبال مرحوم رومی کے نقطہ نظر سے ایک مرد کامل کا حقیقی معجزہ یہی ہے کہ وہ انسانی شخصیت کے حق میں حیات بخش اور حیات آفریں ہو۔ خود اقبال مرحوم کے نزدیک عظیم الشان انسان یا ہیرو وہ جس کے اعمال وافعال نوع انسانی کے لیے چشمہ زندگی جاری کرنے والے ہوں، بلاشبہ یہ پورا خاندان بہ شمول مولانا سید محمود حسنی مرحوم کے صدیوں سے رومی اور اقبال کے اس نظریہ حیات کا حقیقی نشان امتیاز ہے، یہ فضل الٰہی ہے کہ اس خاندان میں اتنے لمبے تسلسل کے ساتھ تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسی ایسی باکمال اور بافیض شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں جن کے نفس گرم اور چشمہ فضل وکمال اور فکر و خیال سے نسلوں کے افسردہ دلوں میں تازگی اور ایمانی حرکت وحرارت اور توانائی لوٹ آئی۔

انسان اپنے خاندانی اثرات اور ماحول سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، مولانا سید محمود حسنی مرحوم نے انہیں ارباب کمال کی علمی، فکری اور روحانی شخصیتوں سے کسب نور کر کے اپنی سیرت اور شخصیت کی تعمیر کی، پھر انہیں خطوط پر چل کر اپنے خاندانی شرف وکمال کو باقی بھی رکھا، اس کی عظمت اور تقدس میں خوبصورت اضافے بھی کیے، یقیناً اس حوالے سے حسنی خاندان کی تمام صفات و کمالات کا آپ حسین گلدستہ تھے۔

مولانا سید محمود حسن حسنیؒ اپنے عہد کی عظیم شخصیتوں میں شامل تھے جن کی علمی، تعلیمی اور قلمی فتوحات پر ایک زمانہ ناز کرتا تھا، آپ نے حیرت انگیز طریقے پر علم کے کئی شعبوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا خوبصورت ثبوت پیش کیا ہے بلکہ لوہا منوایا ہے، لیکن حیرت ہے کہ آپ کے معاصر آپ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت کو نظر انداز کر کے صرف سوانح اور سیرت نگاری کے حصار میں مطالعہ کی کوشش کر رہے ہیں، جبکہ آپ کے حوالے سے انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ سوانحی ادب کے اختصاص کے ساتھ ساتھ گوناگوں علمی میدانوں میں علمی فتوحات کا جو غیر معمولی ذخیرہ چھوڑا ہے اس پر بھی سنجیدگی سے مطالعہ اور تحقیق ہونی چاہیے، کیونکہ آپ نے اپنی نگارشات کے ذریعہ تاریخ، تصوف، تذکرے، سیرت وسوانح اور ادب کے آنگن میں جو تخلیقی پھول کھلائے ہیں ان میں بلا کا تنوع ہے۔

مولانا سید محمود حسنی مرحوم کی بڑی صفت اور کمال یہ تھا کہ آپ نے لمبی علالت کے سبب قوائے جسم کے حد درجہ متاثر ہونے کے باوجود کبھی اپنے مشن کو موقوف نہیں کیا۔ ہر حال اور ہر صورت میں حرف وخیال سے ان کا رشتہ باقی رہا۔ ہمیشہ اپنے اسلاف کے روشن کارناموں کی تلاش وجستجو میں غواصی کرتے رہے۔ انہیں اسلاف سے ہمیشہ سچی محبت اور عقیدت رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سوانحی تحریریں لکھتے

☆ سہارنپور، یوپی

وقت آنسوؤں کے قطروں کو لفظوں میں جذب کیا ہے۔ ویسے بھی سوانحی تحریروں کا رشتہ چونکہ دماغ سے زیادہ دل سے مربوط ہوتا ہے ہر غم کا زود اثر دل براہ راست قبول کرتا ہے اس لیے دل کے سوز اور قلب کے گداز سے گزر کر جو تحریریں کاغذ کے سینے پر نقش ہوتی ہیں، ان میں وہ کشش اور مقناطیسیت ہوتی ہے کہ قاری لاشعوری طور پر اس حزنیہ ماحول کا اپنے آپ کو حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ لفظ، لہو اور آنسوؤں کے اشتراک کے بغیر سوانحی تحریریں اثر اور تاثیر سے محروم ہوتی ہیں۔ محمود حسنی مرحوم کی سوانحی تحریریں اسی جذبے کی صداقت سے تشکیل پاتی ہیں۔ آپ کی جنبش خامہ سے نکلنے والی درجنوں کتابیں اکابر اور اسلاف کی احساس عظمت کے اعتراف کے ساتھ مشاہیر کے احوال و آثار پر سوانح نگاری کے عنوان پر حوالہ جاتی حیثیت رکھتی ہیں۔ سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ، تذکرہ حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ، سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقیؒ، تذکرہ مولانا عبد الباری ندوی بھٹکلیؒ، تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، سیرت داعی اسلام حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ، عائشہ بی۔ اکابر اور مشائخ کی سیرت اور کردار پر یہ درجنوں علمی اور روحانی شاہ کار تخلیقات طالبین راہ حق کے لیے جہاں قیمتی سوغات ہیں وہیں انسانوں کی کردار سازی اور ایمان افروزی کا پیغام اور ذریعہ بھی ہیں۔ ساتھ ہی مشاہیر اسلام کے احوال و کوائف سے اپنی نئی نسل کو ان کی عظمت، روشن اور تابناک ماضی کا احساس دلانا بھی ہے۔

آپ کا پورا سوانحی اور علمی سرمایہ خاص طور پر ''اہل دل'' اور ''خاصانِ خدا'' کی سوانح نگاری کا شوق اور جذبہ خاندانی وراثت کا حصہ ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنے تصنیفی جذبے کی تسکین کا آغاز حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت و سوانح سے کیا تھا مختصراً آپ کا پورا لفظی ذخیرہ اپنے نانا حضرت مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ، مولانا علی میاں ندویؒ، حضرت مولانا عبد الحئی حسنیؒ کے لفظیات کی توسیع ہے، بلکہ آپ کی لفظیات اور نثری بیانیہ کا جو اسلوب ہے اس پر آپ کے نانا مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کے کچھ اثرات دیکھے جاسکتے ہیں، جس طرح ان کے یہاں تحریری تسلسل کے ساتھ تفہیم اور ترسیل ہے اس کے نمونے ہمیں سید محمود حسنی کے یہاں بھی ملتے ہیں، مولانا مرحوم کے اسلوب میں بھی شفافیت اور صراحت کا بھرپور احساس ہے بلکہ اپنے نانا مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کی طرح ان کے نثری بیانیہ میں رعنائی اور تسلسل ہے۔

مولانا محمود حسنی ندوی مرحوم کے سوانحی تحریروں کا یہ کمال تھا کہ وہ ماتمی احساس کو اظہار کا روپ بڑی خوبصورتی سے عطا کرنے میں کامیاب ہوجاتے، یہ ان کے اختصاص کا مظہر اور انفرادیت ہے، دسیوں مشاہیر کی ضخیم سوانحی خاکوں پر ان کی کتابوں میں ہر شخصیت کے داخلی اور خارجی اظہار پر قلمی گل کاریاں اس بات کا مکمل ثبوت ہیں کہ آپ نے اپنی پسندیدہ شخصیات کے ہر پہلو پر اتنی خوبصورتی اور حسن کمال سے لفظی پیرہن عطاء کیا ہے کہ ان کی تمام تخلیقات ان شخصیات کے انعکاس کا عنوان بن گئی۔ حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی مرحوم پر اپنے ماتمی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی میں جو انسانی ہمدردی، ملی حمیت، دینی غیرت اور احساس ذمہ داری تھا اس نے ان کو پھر کسی پل چین سے بیٹھنے نہ دیا اور وہ بڑے مومنانہ حوصلہ و عزیمت کے ساتھ ان تینوں کے مقابلے میں اور نئی نسل کے ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی کوشش میں کمر بستہ ہوگئے اور اس کے لیے انہوں نے لٹریچر کے ذریعہ اور خطابات کے ذریعہ، اور ملاقات و مراسلات کے ذریعہ متوجہ کرنے اور لوگوں کو کھڑا کرنے کا کام کیا''۔

مولانا محمود حسنی نے اپنے جہانِ علم اور وسیع سوچ کے کینوس سے لفظوں کا جو نگار خانہ سجایا ہے اس میں تنوع اور کسی قدر وسعت ہے۔

لاریب ان کے یہاں سوانح اور سیرت نگاری کا غلبہ اور اختصاص ضرور ہے، تاہم دیگر موضوعات پر بھی انہوں نے کامیابی سے سفر طے کیا ہے، مثلاً حضرات صحابہ سے لے کر عہد حاضر تک تمام مصلحین، محدثین، سلاطین کی اصلاح و تربیت پر ان کی شاہکار تصنیف تاریخ اصلاح و تربیت پر ایسا عظیم کارنامہ ہے جو ان کی علمی اور تاریخی بصیرت کو ہمیشہ استناد و اعتبار بخشتا رہے گا، علمی جہات میں ان کا ایک اہم کام وہ کتابوں پر تبصرہ ہے، جب سے آپ 'تعمیر حیات' سے وابستہ ہیں، آپ نے سینکڑوں علمی، تاریخی سوانحی، مذہبی اور دیگر موضوعات سے کتابوں پر تبصرے کیے ہیں، انہوں نے کبھی کسی تبصرے میں کسی شخصیت کے حوالے سے تفریق نہیں کی، بلکہ وہ بغیر کسی تفریق کے مصنف کے بیان اور خیالات تک پہنچ کر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرتے جس میں اخلاقی دیانت کے ساتھ کتاب کا عکس آجاتا، یہی ان کا کمال تھا کہ وہ تبصرے میں سادگی کے ساتھ احساس اور مشاہدہ کی قوت کو بروئے کار لاکر مصنف، کتاب اور اس کے مضامین کے رشتے اور خیال کو صفحہ قرطاس کے حوالے کردیتے۔

مولانا سید محمود حسنی ندوی اپنے پیچھے یادوں کا جو سلسلہ چھوڑ کر گئے اس کے عنوان مختلف ہیں، خود ان کی اپنی شخصیت، ندوۃ العلماء کی علمی، فکری اور ادبی روایتوں کے محافظ، خانوادۂ حسنی کی روحانی، تصنیفی، ذوق جمال، حسن اخلاق اور حسن عمل کے وارث اور امین، اتنے عنوان ایک شخص کی ذات میں آویزاں تھے، یقینی طور پر آپ کا حادثہ کسی ایک فرد یا خاندان کا ماتم نہیں بلکہ یہ پوری ملت کا اجتماعی غم اور صدمہ ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کی چند اہم

تصنیفات وتالیفات اہل علم کی نظر میں

ترتیب وپیشکش: محمد جاوید اختر ندوی ☆

مقدمہ سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ کی شخصیت کا اعتراف ملک اور ملک سے باہر بھی ہر جگہ خوب کیا گیا اور کیا جارہا ہے اور ان پر سیمیناروں اور رسائل ومجلّات کے خصوصی اشاعتوں کے علاوہ کتابوں کی تصنیف کا ایک سلسلہ جاری ہے۔

پیش نظر کتاب ''سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ'' ان سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں میں صرف ایک اضافہ نہیں ہے؛ بلکہ سوانحی طرز کی بعض خصوصیات رکھنے کے ساتھ اہم اضافہ ہے، یہ ان کا حق تھا اور یوں بھی حق تھا کہ مصنف کتاب عزیزی مولوی سید محمود حسن ندوی سلمہ اللہ کو ان کی شفقت اور توجہ حاصل رہی ہے اور ان کے قلم سے کئی اصحاب فضل وکمال اور اہل علم ودین شخصیات پر کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں اور پسند کی گئی ہیں، جن میں ایک کتاب خود ان کے اپنے نانا اور میرے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے متعلق بھی ہے جو ایک باکمال سوانح نگار کے طور پر متعارف رہے ہیں اور انہیں یہ جذبہ اور حوصلہ اپنے نانا سے کسی حد تک موروثی طور پر بھی ملا ہے، جو انہیں اپنے نانا حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (والد ماجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) سے تذکرہ وسوانح نگاری اور تاریخ نویسی کا ملا تھا۔

پیش نظر کتاب بیس ابواب اور ساڑھے پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے جس میں اچھے انداز سے ان کے خاندانی، تعلیمی، تربیتی حالات، علمی روحانی دینی کمالات وخصوصیات، احوال و آثار اور ملفوظات، اسانید اور اقران ومعاصرین میں ان کی امتیازی شان اور صرف برصغیر نہیں بلاد عرب، یورپ و افریقہ میں ان کے علمی دینی فیضان اور ان کے تلامذہ کا حال بھی آگیا ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ پیش نظر کتاب مفید ثابت ہوگی اور اس سے حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی، اور ان کے علمی کمالات ودینی خصوصیات سے کسی حد تک واقفیت بھی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مبارک کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

تقریظ داعیٔ اسلام مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی

از: حضرت مولانا سید نظام الدینؒ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

مولانا سید عبد اللہ حسنیؒ جن کے وصال سے امت کو بہت شدید صدمہ پہونچا ہے، خاص طور پر مجھے ان کے سانحۂ ارتحال سے بڑا رنج ہوا، وہ بڑے عالم دین اور ممتاز داعی اسلام تھے، ان کے دل میں سارے انسانوں کی ہمدردی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ سارے لوگ اسلام میں داخل ہوجائیں، اور اس کے لیے وہ مکمل تگ ودو جاری رکھے ہوئے تھے اللہ نے ان کے اندر تفہیم کی بڑی اچھی صلاحیت اور ان کی صحبت میں تاثیر عطا فرمائی تھی، ان کی گفتگو سن کر لوگوں کے دل کھل جاتے تھے، اور بہت سے لوگ ان کی گفتگو سن کر صحبت میں بیٹھ کر اسلام میں داخل ہوئے، اور بلا واسطہ اور بالواسطہ ان کے ذریعہ اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہوگئی، اسی کے ساتھ وہ تربیت وارشاد کا کام بھی انجام دیتے تھے، جس کی انہیں مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت حاصل تھی، اور لوگوں کو ان سے اس راہ میں بھی بڑا نفع پہنچ رہا تھا، ان کے اندر اللہ نے حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کی خصوصیات رکھی تھیں، وہ ان کے خاندان کے گل سرسبد اور ان کے نور چشم تھے اور ان کے لائق فخر بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی مرحوم (سابق مدیر مجلّہ "البعث الاسلامی" عربی) کے فرزند اکبر اور ان کے دست راست بھانجہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (حال ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کے داماد تھے، وہ سادگی، تواضع، استغناء، اخفائے حال، عالمانہ وقار، اور داعیانہ کردار کی جو صفات وخصوصیات حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ میں نمایاں تھیں اور اس کے ساتھ انسانیت کی ہدایت اور امت کی اصلاح کے لیے بے چینی، فکرمندی، اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ یہ سب خصوصیات مولانا عبد اللہ حسنی میں بھی نظر آتی تھیں۔

☆ استاذ فقہ وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں نے ان کو ان کا حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کا ہم مثل پایا، اور یہ محسوس کیا کہ ہمارے علماء کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، ان کی تحریر پڑھنے اور تقریر سننے کا مجھے اتفاق ہوا، وہ بہت آسان زبان میں پیچیدہ مسائل کو حل فرماتے تھے، اسلامی عقائد توحید، رسالت اور آخرت اور دنیا میں زندگی کیسے کارآمد بنائی جائے اور آخرت کی زندگی کس طرح مفید سے مفید تر بنائی جائے، اور کس طرح ہدایت کی ہوا چلائی جائے، اس کے وہ منصوبے بناتے اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتے، اور دنیا میں مسلمانوں کے حالات کی فکر کے ساتھ انسانوں کی ہدایت کے لیے بہت فکرمند رہتے، وہ خود دین پر عمل کرنے اور دوسروں کو دین کی طرف لانے کے لیے دن رات محنت کرنے والے انسان تھے، اور انہوں نے اللہ کے دین کی دعوت کے لیے پوری زندگی وقف کردی تھی، خاص طور پر ایسے لوگوں کے درمیان جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان کے دلوں کو نرم کرنا اور اسلام سے قریب کرنا ان کا جوہر تھا، انہوں نے زیادہ عمر نہیں پائی، مگر کام بہت کیا، ان کی صلاحیت وکارکردگی کو دیکھتے ہوئے بڑی توقعات قائم تھیں کہ آگے چل کر دین اور تعلیم ودعوت کے میدان میں وہ امت کی رہبری اور رہنمائی کریں گے، مگر وہ زندگی کی صرف ۵۶ بہاریں دیکھ کر ہی اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے، کہ:

روئے گل سیر نہ دیدیم بہار آخر شد

ان کی زندگی پر ہمارے عزیز محترم مولانا محمود حسنی ندوی سلمہ نے سوانح حیات لکھی ہے، جو ان کی پیدائش سے لے کر تعلیم وتربیت، ارشاد وسلوک، دعوت وتبلیغ دین اور زندگی کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے، میں مبارکباد دیتا ہوں کہ ایک اللہ والے پر کتاب لکھ کر انہوں نے بڑا نیک ومفید کام انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کو قبول فرمائے، اور امت کو مولانا عبداللہ حسنی کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

تقریظ سوانح مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی علیہ الرحمہ

از: مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مولانا محمد ثانی حسنی ایک مؤمن کامل کا نمونہ تھے، مشکلات کے سامنے کبھی سپر انداز نہیں ہوتے تھے، ہر طرح کے حالات نہایت خندہ پیشانی سے برداشت فرمالیا کرتے تھے، وہ اللہ کی نصرتوں پر پورا توکل رکھتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بہت خاص درجہ کا تھا، ان کی دعاؤں سے بڑے بڑے مسائل حل ہوا کرتے تھے، وہ نگاہ مرد مؤمن رکھتے تھے:

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وعمل کی دولت کے ساتھ تواضع اور عالی ظرفی سے بھی خاص طور سے نوازا تھا، ان کو نثر ونظم پر یکساں قدرت تھی، ان کی نثر کے نمونے ''رضوان'' کے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، نظم کا بہترین نمونہ دیکھنا ہو تو ترانہ ندوہ پڑھیے۔

ہم نازشِ ملک وملت ہیں، ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابشِ دیں، ہم نورِ یقین، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

آج بھی ندوہ کے در ودیوار اور اس کی فضائیں اس پر کیف ترانہ کے نغموں سے گونج رہی ہیں، وہ تابش دیں، نور یقین، حسن عمل اور خلق حسن کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے، ان کا شعری مجموعہ ''میزاب رحمت'' کے نام سے سید احمد شہید اکیڈمی تکیہ رائے بریلی نے شائع کیا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات میں ایک نمایاں اور بڑا وصف وکمال ان کی سوانح نگاری ہے، جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، وہ سوانحی عناصر میں شیرازہ بندی کا فن جانتے تھے، ان کی کتاب ''سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی''، اور پھر دوسری کتاب ''حیات خلیل''، یعنی سوانح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری میں سوانحی ادب کا ایک عظیم نمونہ نظروں کے سامنے آتا ہے، وہ بے مثال عالم وداعی تھے، بڑے خوش اخلاق اور خوش مزاج، اپنے بڑوں کے منظور نظر اور چھوٹوں پر شفیق ومہربان، اسی طرح وہ فنون ادب کے علمبردار اور تصویر زندگی کو ادب کے سانچے میں ڈھالنے کا فن بھی خوب جانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کا سوانحی ادب ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے، اور ڈھونڈنے والوں کے لئے اس میں قلب وروح کی توانائی کا سامان بھی موجود ہے، انہوں نے اپنے چھوٹوں کی سوانح بھی لکھی، یہ ایک مشکل کام ہوتا ہے، وہ اس میں بھی بہت کامیاب نظر آتے ہیں، سوانح مولانا محمد الحسنی، تذکرہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی اس کی مثالیں ہیں۔

اس عظیم سوانح نگار کی سوانح ایک قرض تھی، جس کی ادائیگی ان کے نواسے مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی (نائب مدیر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے حصہ میں آئی، اور اس سعادت کو انہوں نے اپنے لیے ایک بڑے شرف کا عمل سمجھ کر انجام دیا، جس میں ان کے خاندانی، علمی، دینی وتربیتی پس منظر کے ساتھ ان کے تعلیمی وتربیتی ادوار، دار العلوم ندوۃ العلماء، اورینٹل کالج لاہور، اور مظاہر علوم سہارنپور کی درسگاہ سے کسب فیض، اور مشائخ وقت ومصلحین امت سے دینی وایمانی استفادہ، علمی وادبی خدمات کے ساتھ شعر وسخن، اور اصلاح وتربیت کے دائرہ میں ان کی کوششوں، تعلق مع اللہ، ربانیت اور حجاز مقدس

کے اسفار اور ان سب کے ساتھ ان کی تصنیفات و رسائل کا ایک تعارف بھی پیش کیا ہے، جو انہوں نے مختلف موضوعات پر مرتب کیے تھے، اس طرح یہ کتاب ایک مکمل سوانح کے طور پر سامنے ہے، اس میں ان کو اپنے نانا کا یہ وصف بطور میراث ملا، اور خود ان کے قلم سے بھی اس سے پہلے کئی تذکرے اور سوانحی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، یہ میرے لیے باعث مسرت عمل ہے کہ میں اس کتاب پر بطور مقدمہ چند سطریں لکھوں، اللہ تعالی مولانا محمد ثانی حسنیؒ کو اعلی مراتب سے نوازے، اور اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

تقریظ حیات عبد الباری

از: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

مولانا عبد الباری ندوی عقلیات اور ایمانیات کے علوم کے جامع تھے، علماء دین میں اس عصر میں ان کی نظیر نہیں ملتی، افسوس ہے کہ ان کی ساری تصنیفات اردو میں ہیں، صرف مذہب وعقلیات اور تجدید تصوف کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ مذہب و عقلیات کے عربی ترجمہ کو پڑھ کر ایک عرب عالم نے جو ایک عرب یونیورسٹی میں شعبۂ عقیدہ کے سربراہ تھے، اس کی افادیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ: ''یہ کتاب تو عقیدہ کے نصاب میں داخل ہونے کے لائق ہے''۔ ایک مصری فلسفہ کے عالم جو الحاد کے قریب تھے اس کتاب کے مطالعہ سے دین کے بارے میں ان کے ذہن میں جو شکوک و شبہات تھے ان سے تائب ہوئے اور نادم ہوئے۔

اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے عالم عربی مولانا عبد الباری صاحب ندوی سے واقف نہیں ہو سکا، ورنہ وہ عالم اسلام کے مفکروں میں شمار ہوتے۔ مولانا عبد الباری صاحب کی حیات و خدمات پر اب تک کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی تھی، برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ عزیزی محمود حسن حسنی ندوی نے جو سوانح نگاری کا بڑا اچھا ذوق اور سلیقہ رکھتے ہیں، اس اہم خدمت کو انجام دیا، ان کو سوانح نگاری کا ذوق اپنے نانا مرحوم سے وراثت میں ملا ہے، مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حیات خلیل، تذکرہ مولوی محمد ہارون، تذکرہ محمد الحسنی اور امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید کی مختصر سیرت لکھی، ان کو تاریخ سے بڑی مناسبت تھی، اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات پر خانوادہ علم الہی اور تحریک سید احمد شہید پر صادقین صادق پور تصنیف کی، ان کے نواسہ عزیزی محمود حسن حسنی ندوی نے اس سے پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا ابرار الحق حقی صاحب کی سوانح تحریر کی جو بہت مقبول ہوئی، مولانا عبد الباری صاحب کے فرزندوں- خاص طور پر محبّ محترم الحاج فضل الباری صاحب اور محبّ گرامی الحاج احمد الباری صاحب کہ ان دونوں نے مولانا عبد الباری ندوی کی کتابوں کی اشاعت کا دوبارہ نظم کیا' کے اصرار پر انہوں نے مولانا عبد الباری صاحب ندوی کی سوانح بڑی محنت، دلچسپی اور تحقیق کے ساتھ تحریر کی جس میں ان کے ساتھ ان کے اساتذہ ومشائخ اور معاصرین علماء کا بھی تذکرہ آ گیا ہے اور ان کی تصنیفات کا تعارف بھی، عزیزی محمود حسن سلمہ کو خال مخدوم ومعظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی بھی علمی ودینی سر پرستی حاصل ہوئی، اور ان کے بعض کاموں میں معاونت کا شرف بھی ان کو ملا، اللہ تعالیٰ اس کی برکات سے انھیں مالا مال فرمائے اور ان کی اس خدمت کو بھی قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

امید ہے کہ یہ کتاب صرف اردو داں طبقہ ہی کے لیے مفید نہیں ہوگی، بلکہ ترجمہ ہونے کے بعد عرب اہل علم کے لیے بھی مفید ہوگی اور وہ مولانا عبد الباری ندوی کی علمی خدمات سے واقف ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

مقدمہ اوراقِ زندگی، جلد اول

از: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

''آپ بیتی''، ''یادایام''، ''سفرنامہ حیات''، ''کاروانِ زندگی'' اور اس طرح کتنے نام ہیں جن کا موضوع ایک ہے، وہ ہے اپنی زندگی کے تجربات ومشاہدات کو لوگوں کو نصیحت فائدہ کے لیے پیش کرنا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی ''نقش حیات''، ''میدان عمل'' میں پڑھنے والوں کے لیے بڑی سبق آموز کتاب ہے اور تحریک آزادی کی ایک ادوار بھی ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی آپ بیتی کچھ الگ خصوصیت ہے جو یادایام کے نام سے بھی معروف ہے مشہور ادیب وصحافی ومفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی ''آپ بیتی'' کا الگ رنگ و اسلوب ہے مصنف کی معاصر شخصیات میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کی کتاب ''سفرنامہ حیات'' کا اچھوتا انداز ہے اس طرح اور بھی علماء دانشوروں ادیبوں، صحافیوں اور دوسرے لوگوں نے اس عنوان سے اپنی زندگی کے تجربات پیش کئے ہیں، عربی زبان میں ممتاز اہل قلم اور داعیوں ومعلموں اور بڑی شخصیتوں نے اس پر قلم اٹھایا، "الأیـــام" (طہٰ حسین) "حیاتی" (احمد امین) "أنا" (عباس محمود عقاد) "مذکرات الدعوة والداعية" (امام حسن البناء

شہید) "ذکریات" (علی طنطاوی) اور اخر میں شیخ یوسف القرضاوی کی "خودنوشت" "ابن القریۃ والکتاب" سامنے آئی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی "کاروان زندگی" بھی عربی زبان میں منتقل ہوئی جو "فی مسیرۃ الحیاۃ" کے نام سے تین جلدوں میں منظر عام پر آئی، جو اس کی پانچ جلدوں کا ترجمہ ہے، آخری دو جلدوں کا کام ابھی باقی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر بیرونی سفروں میں ان کے بھانجہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رہے تھے، جو ان کے علمی، دینی، دعوتی، فکری، اصلاحی اور تمام کاموں میں دست راست اور مشیر و معتمد رہے، پھر ان کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو انہوں نے آگے بڑھایا، جیسے رابطہ ادب اسلامی، مسلم پرسنل بورڈ کی صدارت، ندوۃ العلماء کی نظامت، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی رکنیت اور بہت سے عالمی اور مقامی اداروں میں ان کی نمائندگی کی حیثیت سے دیکھا جاسکتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے ان کی اہم کتاب "مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عہد ساز شخصیت" مشاہدات وتجربات کی روشنی میں آچکی تھی، لیکن بہت سے پہلو وضاحت وتفصیل طلب تھے، اہل تعلق نے یہ ضرورت محسوس کی یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کے قلم سے بھی زندگی کے مشاہدات وتجربات لوگوں کے سامنے آئیں، اور وہ مختلف مناسبت وتعلق سے ایسے مشاہدات وتجربات سفروں کی روداد، کانفرنسوں کی رپورٹ، اور سیاسی وملی حالات پر تبصروں سے "تعمیر حیات" "ندائے ملت" اور بعض دوسرے رسالوں وجرائد میں پیش کر چکے تھے، انہیں جمع کر کے جب سامنے لایا گیا تو اس نے "اوراق زندگی" کی صورت اختیار کرلی، اور جو خلا تھا، وہ اپنی تعلیم وتربیت اور اہل خاندان، اسلاف ومشائخ اور محسنین کے تذکروں کے ساتھ اس نے ایک بہترین خودنوشت سوانح عمری کا انداز اختیار کرلیا، چونکہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کا تعلق دارالعلوم ندوۃ العلماء سے شروع سے رہا اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے قیام وتاسیس میں ان کا اہم حصہ رہا، پھر رابطہ ادب اسلامی کے قیام میں بھی وہ پیش پیش رہے تھے، اور اس کی سرگرمیاں جو ندوہ میں قائم اس کے مرکزی دفتر سے جاری رہیں اور یہاں منعقد ہونے والے اجتماعات کانفرنسوں، سیمیناروں میں بھی ان کا اہم حصہ وکردار رہا، اور ندوۃ العلماء کی تعمیر وترقی اور اس کے منہج تعلیم و تربیت کے نظام کو مفید سے مفید تر بنانے میں بھی ان کے اہم مشورے اور کوششیں رہیں، اس لئے ان سب کا حال وتذکرہ اس کے ایک بہترین شاہد کی طرف سے ہے اور ان وجوہات واسباب کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام اس کتاب کو شائع کرے جو دو جلدوں میں "اوراق زندگی" کے نام سے اب سامنے ہے۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم نے بہت احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے سفرنامہ حیات کو پیش کیا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب "کاروان زندگی" کے بعد "اوراق زندگی" اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے، جسے منظر عام پر لانے کے لئے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے ذمہ دار وارا کین اپنے ادارے کے لیے عزت و افتخار کی بات محسوس کرتے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس کار خیر کی انجام دہی کے لیے اس ادارہ کو قبول کیا۔

☆☆☆☆☆

پیش لفظ تاریخ اصلاح وتربیت، جلد اول

از: مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

عزیزی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اپنی کتاب "تاریخ اصلاح و تربیت" میں جو کئی جلدوں پر مشتمل ہوگی تزکیہ واحسان اور اصلاح و تربیت کے میدان میں عہد بہ عہد کارہائے نمایاں انجام دینے والوں کو ایک تاریخی تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس کی پہلی جلد منظر عام پر آنے کے مرحلہ میں ہے۔

عزیزی مولوی محمود حسن حسنی ندوی کے لیے یہ نہایت سعادت کی بات ہے کہ انھوں نے جلد اول کو سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور اس میں تزکیہ کے پہلو کو نمایاں کرنے کے ساتھ خاص کی ہے، صحبت نبوی کی حیرت انگیز تاثیر یہ تھی کہ جو بھی طلب صادق لے کر آتا وہ نہ صرف یہ کہ مشرف بہ اسلام ہوجاتا بلکہ اس کو بہت جلد ایمان کی حلاوت اور اگلے ہی مرحلہ میں اس کو تزکیہ واحسان کی بھی دولت حاصل ہوجاتی تھی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ امتیاز ہے جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَإِن کَانُوا مِن قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ" (وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ

جماعت کا نام صحابہ پڑا، اور ان کو مغفرت و رضوان کی بشارت اللہ نے اپنے کلام پاک میں عطا فرمائی، انھوں نے احکام اسلام پر عمل اور دین کے فروغ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل و جان سے اور مال ومتاع کی قربانی سے ساتھ دیا، ان سب کے تذکرے کے لیے کئی دفتر مطلوب ہیں، اس پہلی جلد میں عزیز موصوف نے سیرت نبوی کو پیش کرنے کے ساتھ کچھ ممتاز صحابہ کی سیرت کے بھی جلوے دکھائے ہیں اور یہ "ما أنا علیہ و أصحابی" کا بھی تقاضہ ہے۔

نبوی دسترخوان کے خوشہ چینوں کو دنیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لقب سے جانتی ہے، یہ وہ اللہ والی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنے والی، پیغام خدا و رسول کو بے کم و کاست پہنچانے والی جماعت ہے، جن کی تمام خوبیوں، خصوصیات اور امتیازات کو پیش کرنا ناممکن ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی امتیازی خصوصیات کی فہرست بہت طویل ہے، ان کی جاں نثاری و فداکاری، محبت وشوق، علم و آگہی، اخلاق کریمانہ، تعلیم و تربیت، دعوت وارشاد، انسانی ہمدردی اور شفقت و محبت، غرض یہ کہ ان کے کمالات اور ممتاز اوصاف کی فہرست بہت طویل ہے، ان میں کچھ کی طرف اشارہ کرتا چلتا ہوں۔

اخلاص وللّٰہیت اور خواہش نفس پر قابو پانے میں اس پاکیزہ وممتاز جماعت کو امتیاز حاصل ہے کہ کوئی کام بھی ذاتی غرض اور منفعت کے پیش نظر کسی نیت بد کے نتیجہ میں نہیں کرتے تھے، وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خود مخلصوں کے سردار تھے ان کے دل و دماغ کو اخلاص کے سانچہ میں ڈھال دیا تھا اور وقتاً فوقتاً ان کے سامنے اس کی اہمیت اور عنداللہ مقبولیت واضح فرماتے رہتے تھے، بنیادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا تھا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، تنہا ظاہری اعمال چاہے وہ کتنے ہی بھلے اور اچھے معلوم ہوتے ہوں کیسے ہی خوش نما ہوں اگر وہ روح سے خالی، نیت بد سے داغ دار کیے جاچکے ہیں تو عنداللہ ذرا بھی قابل قبول نہ ہوں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں خاص امتیاز حاصل تھا، اسی طرح خواہشات ایجابی ہوں یا سلبی، باہری دنیا دیکھ کر پیدا ہوئی ہوں یا اندرونی جذبات کا عکس ہوں، دونوں ہی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال ثابت قدمی اور استقامت اور راہ سنت وشریعت پر استواری ان کا شعار رہا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ یہودی کو انھوں نے مغلوب کرلیا تھا مگر یہودی کے تھوک دینے سے اندرونی انتقامی جذبہ پیدا ہوگیا اور نفس کا شدید تقاضہ ہوا کہ اس کو فوراً تہ تیغ کردیا جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر قابو پاکر اسے چھوڑ دیا، وہ حیرت زدہ رہ گیا پوچھنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے تجھے قتل کررہا تھا، جب تم نے تھوکا تو مجھے غصہ آگیا جو میرے نفس کے لیے تھا، اس لیے میں نے چھوڑ دیا، یہ سن کر یہودی کی دنیا بدل گئی اور کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان لے آیا، اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نفس پر قابو پاکر ایک جان کو جہنم سے بچالیا اور خود کو اپنی ذات کے انتقام لینے کے جذبہ سے محفوظ رکھا، عین معرکہ کے وقت جب کہ دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں یہ ناممکن سی بات ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی تھے کہ کتنی ہی ایسی ناممکن باتوں کو ممکن بنادیا۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ممتاز صفت ہر معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کرنے کا جذبہ تھا، بعض لوگوں کو اپنے بڑے اور مقتدا شخصیت کے سامنے کسی مقام پر سجدہ کرتے دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق دار ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم لوگ سجدہ (تعظیمی) کریں، جذبات میں آکر سجدہ کرلیتے پھر پوچھتے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتا دیکھ کر منع فرماتے، بلکہ دل میں شدید داعیہ پیدا ہونے پر عمل سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف منع فرمادیا اور کہہ دیا کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے، اگر دنیا میں کسی کو سجدہ کی اجازت ہوتی تو عورت کو حکم ہوتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی اور نمایاں صفت اور امتیازی خصوصیت توبہ و انابت الی اللہ ہے، بحیثیت انسان کے اگر کوئی غلطی ہوگئی تو وہ ایسے بے قرار اور بے چین ہوئے کہ کیا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے اللہ کی پکڑ سے بچ جائیں اور آخرت کا معاملہ خراب نہ ہو اور ایسی ندامت ہوئی اور اس کے لیے ایسی قربانی دی کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا اور ان پر رحمت کی ایسی بارش ہوئی کہ اگر پورا شہر مدینہ اس کے ذریعہ اپنی بخشش کروانا چاہتا تو ہوجاتی کہ:

یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا
اور کسی نے کفارے کے لیے ایسے مجاہدات کیے کہ امت کے لیے قیامت تک کے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔

اس کے ساتھ ایک بڑی اور امتیازی خصوصیت ان کی ذہنی پختگی، عقلی بلوغ اور ذہنی و

دماغی تربیت کا کمال ہے، اگر ایک طرف وہ سرافگندگی، سپردگی، اطاعت وفرماں برداری اور تسلیم ورضا کے امام تھے تو دوسری طرف ذہنی وعقلی صلاحیتوں سے پورا پورا استفادہ کرتے تھے اور ان کا صحیح استعمال جانتے تھے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر معمولی تربیت اور نگرانی میں ان کے ذہن ودماغ کو اس طرح تیار کردیا تھا کہ اندھے بہروں کی طرح زندگی نہ گزاریں جابے جا، حق ناحق تقلید وپیروی کی راہ نہ اپنائیں، ذہن کو کھلا رکھیں، عقل و دانش کا استعمال کرتے رہیں، شاہراہ شریعت اور جادۂ سنت پر بصیرت کے ساتھ گامزن ہوں تاکہ کوئی شیطانی وسوسہ یا غلط سازش ان کی راہ کھوٹی نہ کرپائے، جس کا اصول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر بیان کردیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، کوئی انسان بھی اس لائق نہیں کہ اس کے ساتھ خدا کا سا معاملہ کیا جائے اور اس کی بات کو خدائی حکم کا درجہ دیا جائے، بڑوں کی اطاعت چاہے امیر ہو یا شیخ، پیر ہو یا فقیر، حاکم ہو یا عالم اس حد تک کی جائے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

صحابۂ کرام کی ذہنی پختگی، عقلی بلوغ اور بیدار مغزی اور اس کے ساتھ کامل اطاعت، مکمل انقیاد، بے مثال تابع داری اور فرماں برداری سے ان کی تاریخ بھری پڑی ہے، وہ امی قوم کے تھے لیکن علم و عقل اور عمل تینوں کے جامع بن گئے تھے اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا معجزانہ اثر تھا اور پوری جماعت صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر ظاہر ہوئی۔

☆☆☆☆☆

مولانا جاوید اختر ندوی کے والد ماجد جوارِ رحمت میں

۲۹ر ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۶ر اکتوبر ۲۰۲۲ء بدھ کو بعد نماز عشاء مختصر علالت کے بعد استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و معاون ادارت پندرہ روزہ 'تعمیر حیات' مولانا جاوید اختر ندوی کے والد ماجد جناب محمد محفوظ الرحمٰن اپنے آبائی وطن (پلاسی، اراریہ، بہار) میں تقریباً ۶۵ر برس کی عمر میں مالک حقیقی سے جاملے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی نماز جنازہ اگلے روز جمعرات کو بعد نماز عصر ہوئی، نماز جنازہ ان کے بڑے فرزند مولانا جاوید اختر ندوی ہی نے پڑھائی، نماز وتدفین میں اعزاء واقربا اور اہل تعلق قریب ودور سے بہت بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

مرحوم نے دینی وعصری دونوں تعلیم حسب ضرورت حاصل کی تھی، پھر گھریلو طور پر تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں قرآن مجید کی تلاوت، نماز ودیگر عبادات سے متعلق مسائل اور اردو زبان کی بھی مناسب واقفیت ہوگئی تھی، مسائل وفضائل کی کوئی کتاب ضرور مطالعہ میں رہتی، نماز باجماعت کے نہایت پابند اور اپنے کاروبار میں اسلامی اصولوں کا خاص خیال رکھتے تھے، پوری زندگی دینی وضع قطع اور شرعی لباس وآداب پر سختی سے عمل پیرا رہے، ان کے والد مرحوم نے اپنے گھر کے سامنے ذاتی زمین پر مسجد بنوائی جو پہلے کچی تھی، مگر انتقال سے قبل انہوں نے اپنی ایک دوسری زمین فروخت کرکے پختہ مسجد تعمیر کرائی، اور تعمیر مسجد کے کچھ ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا، ان کے بعد حسب وصیت مرحوم ہی پوری زندگی مسجد کے مؤذن، خادم، متولی تھے اور حسب ضرورت امامت کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے، پنجوقتہ نمازوں کی اذانوں کے لیے وقت سے قبل دوکان بند کرکے مسجد پہنچ جاتے، ماہ رمضان میں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل میں اضافہ ہوجاتا، نماز تہجد کی بڑی پابندی کرتے تھے، فجر کی اذان اور جماعت کے درمیان تلاوت قرآن مجید ہی میں مشغول رہتے، اور کچھ دیر بعد نماز ظہر بھی تلاوت کا معمول تھا۔

مرحوم مدارس اور علماء وصلحاء کی بڑی قدر ومحبت کرتے، اسی لیے انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا، اپنے فرزند کی طالب علمی اور پھر ملازمت کے زمانے میں کئی بار وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے، ندوہ کے خاص دینی وروحانی ماحول میں انہیں بہت جی لگتا، یہاں طالبان علوم نبوت کا ہجوم اور ندوہ کی مسجد میں نماز وتلاوت کے پُرکیف مناظر سے بہت خوش ہوتے۔ وہ ہمیشہ وقت سے پہلے مسجد پہنچ جاتے، گھر میں بھی افراد خانہ کی دینی تربیت کی بڑی فکر کرتے، جوں ہی اذان ہوتی، کہتے کہ پہلے نماز باجماعت پھر آگے کوئی کام، کسی کی مجال نہیں تھی کہ نمازوں میں کوتاہی کرے، اللہ تعالیٰ نے مسجد اور نماز سے ان کے دل میں خاص محبت وتعلق پیدا کردیا تھا۔

مرحوم بہت نیک، ملنسار، متواضع اور شریف النفس تھے، جس سے بھی ملتے، انہیں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیتے، مہمانوں کی توقیر واکرام میں پیش پیش رہتے، اپنے رشتہ داروں اور محلّہ کے لوگوں کو نماز اور مسجد آنے کی برابر ترغیب دیتے رہتے، ان کی کوششوں سے پنجوقتہ جماعت میں الحمدللہ بڑا اضافہ ہوا، اور مسجد خوب آباد رہنے لگی۔ پسماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل دے، مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے، حسنات کا نعم البدل دے، درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔

قارئین 'تعمیر حیات' سے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)

باسمہ تعالیٰ

تاریخ ۱۰-۲۵ر نومبر ۲۰۲۲ء

Date 10-25 Nov. 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی، اس صورتِ حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہوگیا۔ اب کیمپس کے اندر ہی مزید کوارٹرس کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ر فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ -/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 8736833376
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)
تعمیرات
A/c. No. 1086 3759 733
ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا